مدینۃ المسیح

۲۳ اکتوبر صبح سے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالےٰ کو اسہال کی تکلیف ہوگئی جس کی کوئی خاص وجہ سوائے اس کے نہ تھی۔ کہ حضور کل دو بار مولوی عبد الرحیم صاحب درد کے استقبال کے لئے موٹر پر تشریف لیگئے۔ احباب حضور کی صحت کے لئے بالالتزام دعا فرمائیں۔

نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے۔ کہ چوہدری نصر اللہ خانصاحب مرحوم و مغفور کی والدہ محترمہ کا ۱۹ اکتوبر کو انتقال ہوگیا۔ ۲۰ اکتوبر کی شام کو لاش بذریعہ موٹر دار الامان لائی گئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے جنازہ پڑھایا۔ اور مرحومہ مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئیں۔

نیز ہمارے محترم خانصاحب منشی فرزند علی خاں صاحب مبلغ انگلستان کی والدہ محترمہ کا ۲۳ اکتوبر کی صبح کو انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئیں۔

مولوی عبد الرحیم صاحب درد کی آمد

ہمارے مکرم و محترم جناب مولانا عبد الرحیم صاحب درد ایم۔ اے کئی سال تک انگلستان میں اسلام کی شاندار خدمات سر انجام دینے کے بعد ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۸ء مع الخیر تشریف فرمائے دار الامان ہوئے۔

دس بجے صبح حضرت اقدس خلیفۃ المسیح پیدل موٹر پر تشریف لیگئے۔ حضور کے علاوہ احباب قادیان اور جملہ سکولوں کے طلباء بھی اپنے معزز مہمان کی پیشوائی کے لئے وہاں پہنچے۔ لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا۔ کہ حضرت درد صاحب اس وقت نہیں آسکیں گے۔ اس لئے دوست واپس آگئے۔ پھر بٹالہ سے آپ کی آمد کی اطلاع ملنے پر احباب کثیر تعداد میں دوبارہ چار بجے شام موڑ پر پہنچے۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیادہ پا وہاں تشریف لے گئے۔ ساڑھے چار بجے کے قریب درد صاحب تشریف لائے۔ اور حضور نے آپ سے معانقہ فرمایا۔ اس کے بعد درد صاحب نے جملہ احباب سے مصافحہ کیا۔ جناب ذو الفقار علی خاں صاحب گوہر ناظر اعلےٰ کی ایک برمحل نظم وہاں ایک بچے نے خوش الحانی سے سنائی۔ جو اسی اخبار کے صفحہ ۔ پر درج ہے۔ ساڑھے پانچ بجے کے قریب یہ قافلہ دار الامان میں پہنچ گیا۔

وہ جوڑا ہوتا ہے۔ اور انہیں دنیا کی کوئی چیز جدا نہیں کر سکتی۔ اور یہ وہ جوڑا ہوتا ہے۔ جیسے خدا نے ملا دیا۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے خدا تعالےٰ نے جوڑے تلاش کئے تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق تو خدا تعالےٰ نے آپ کو خواب میں دکھا دیا۔ کہ یہ تیرا جوڑا ہے۔ حضرت خدیجہؓ کے متعلق بھی واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ

خدا کا تلاش کردہ جوڑا

تھا۔ گو اس کے متعلق کوئی خوابیں وغیرہ تو نہیں ملتیں۔ لیکن حالات ایسے ہیں۔ کہاں حضرت خدیجہ کی طرف سے تجارت پر جانا۔ اور کہاں اس کی طرف سے شادی کا پیغام دیا جانا اور پھر آپ کا باوجود اس کے کہ آپ سے وہ پندرہ برس بڑی تھیں۔ اس کو منظور کر لینا۔ پھر شادی کے بعد ایسے اچھے تعلقات کا ہونا۔ کہ حضرت خدیجہ نے اپنی تمام جائداد آپ کے سپرد کر دی۔ حالانکہ وہ جانتی تھیں۔ کہ اگر آپ انہیں علیحدہ کر دیں گے۔ تو وہ کچھ نہیں کر سکیں گی۔ پس ان حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جوڑا مل گیا تھا۔ پھر حضرت صفیہؓ نے بیان کیا۔ کہ میں نے بچپن میں خواب دیکھا تھا۔ کہ چاند میری گود میں آ پڑا ہے۔ اور جب میں نے اپنے باپ کو یہ سنایا۔ تو اس نے میرے منہ پر تھپڑ مارا۔ کہ کیا تو عرب کے بادشاہ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ پھر حضرت عائشہ جوانی میں بیوہ ہوگئیں اور ایسی حالت میں عورتوں کو عام طور پر خاوند پر غصہ ہوتا ہے۔ کہ اس عمر میں شادی کیوں کی۔ مگر حضرت عائشہ کو

دنیا کی ہر خوبصورتی میں

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی چہرہ نظر آتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ جوڑا خوب ملا ہوا تھا۔ پس حقیقتاً خدا تعالےٰ ہی جوڑے ملاتا ہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ سے استخارہ کرنا چاہئیے۔ کہ وہ صحیح جوڑے ملائے۔ اور نیک سامان کر دے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

عسیٰ ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئًا وھو شر لکم۔ پس کئی چیزیں ایسی ہوتی ہیں۔ جو بظاہر اچھی ہوتی ہیں۔ مگر خدا کے ہاں وہ اچھی نہیں ہوتیں۔ اسی طرح بظاہر بعض چیزیں اچھی نہیں نظر آتیں۔ لیکن حقیقت میں وہ بہت مفید ہوتی ہیں۔ پس چاہئیے۔ کہ انسان اپنے آپ کو خدا کے سامنے ڈالدے۔ کیونکہ خدا جو کچھ دیگا۔ وہی اچھا ہوگا۔ ہمیشہ اپنے معاملات کو

اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں

دیدینا چاہئیے۔ کہ وہ حقیقی جوڑا ملا دے۔ اور جب جوڑا مل جائے تو ہر قسم کا آرام حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جنت مل جاتی ہے جنت بھی دراصل دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک دنیوی جنت اور ایک اخروی۔ اخروی جنت تو صرف مسلم کو ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن دنیوی جنت سے غیر مسلم بھی متمتع ہو سکتا ہے۔ پس ہم کو اپنے کام اس پر چھوڑ دینے چاہئیں۔ اور اپنی خواہشات کو بہت کم دخل دینا چاہئیے۔

ویدک دھرم اسلام کے قدموں پر

مذاہب عالم میں اسلام اس بات میں یگانہ ہے۔ کہ اس نے دنیا کے تمدن اور دیگر ضروریات کے لئے عالمگیر اصول پیش کئے ہیں۔ اسلامی قانون کی اٹل دفعات ہی دنیا کی نجات اور بھلائی کا موجب ہو سکتی ہیں۔ ایک عرصہ سے اہل دنیا نے ان اصولوں کو ٹھکرایا۔ مگر آخر ان کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ عملاً ہر بات میں اسلام کو فتح ہو رہی ہے۔ عورتوں کے حقوق کے متعلق جو انسب طریق اسلام نے بتایا وہی دنیا کے امن کا موجب ہو سکتا ہے۔ اور ہوگا۔ اور آخر تمام جہان کو اسی کے آگے جھکنا پڑیگا۔ جس کے آثار ظاہر ہیں۔ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے۔ جس نے بزور کہا۔ وانکحوا الایامیٰ منکم (نور) کہ بیواؤں کی شادی کرو۔ اور ان کو شادی کرنے سے مت روکو گویا نکاح ثانی کا حکم اسلام کا ایک خصوصی حکم ہے۔ قدیم ہندو دھرم کو جانے دو۔ موجودہ روشنی میں "مہرشی" کہلانے والے نے بھی اسلام کی عداوت کے اثر کے نیچے یہاں تک کہدیا۔ کہ "جس بیوہ کا بیاہ ہوتا ہے۔ وہ شودروں میں شامل ہو جاتی ہے۔"

(ایڈیشن منجری ۱۸۷۵ء) اور اس کے خلاف "نیوگ" کی حیا سوز تعلیم دی۔ مگر غور کرو۔ آج عملاً کیا ہو رہا ہے؟ کیا اس حقیقت کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ کہ آریہ سماجی لوگ خود بیواؤں کی شادیاں کراتے۔ اور اس کار خیر کے لئے انجمنیں بناتے ہیں؟ ہمیں اس عمل پر اعتراض نہیں۔ یہ فطرت کی آواز ہے۔ اور اس کے بغیر چارہ نہیں۔ مگر ہمیں اپنے بھائیوں کو صرف یہ بتلانا منظور ہے۔ کہ ہر مشکل کا علاج اسلام ہے۔ اور ہر مقام پر وہی صحیح رہنما ہو سکتا ہے۔ وبس۔ اسی ضمن میں حقوق نسواں سے تعلق رکھنے والا مسئلہ طلاق بھی ہے۔ آج تک ہندو۔ آریہ اور دیگر غیر مسلم اس پر استہزاء و تمسخر کیا کرتے تھے ہمیں خوب یاد ہے۔ کہ ۱۹۲۶ء کے آخر میں امرتسر میں ایک کانفرنس مذاہب میں آریہ سماجی لیکچرار نے طنزاً کہا تھا۔ کہ ہمارے ہاں عورت مرد کا تعلق "اٹوٹ" (نہ ٹوٹ سکنے والا) ہے۔ اور سناتنی لیکچرار نے کہا۔ کہ "ہمارے ہاں یہ تعلق سات جنموں تک نہیں ٹوٹ سکتا" جس پر ہمیں طلاق کی فلاسفی بیان کرنی پڑی۔ کہ نکاح کا تعلق انسانی انتخاب کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے اور انسان اس میں غلطی کر سکتا ہے۔ اور بسا اوقات ممکن ہے کہ طرفین اس تعلق کو بخیر و خوبی نبھا نہ سکتے ہوں۔ ایسی عداوت ہو جائے یا اور حالات پیدا ہو جائے۔ جن میں ان کی ازدواجی زندگی ناقابل برداشت ہو۔ ایسے حالات میں ضرورت ہے۔ کہ انہیں (مرد و عورت کو) اس تعلق کے فسخ کرنے کا حق دیا جائے اور وہی طلاق ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ اسلام کا ایک مخصوص مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ اور ہے۔ مگر آخر حق کی فتح ہوتی ہے۔ چنانچہ

اب ہندو لوگ خود اس بات کا اقرار کر رہے ہیں۔ کہ ہمارے شاستروں میں طلاق کی اجازت موجود ہے۔ کیا یہ اسلام کی زبردست فتح نہیں؟ ورنہ وہ شاستر تو پہلے بھی موجود تھے۔ ماڈرن ریویو میں ایک مفصل مضمون اس بارہ میں شائع ہوا ہے۔ جس کا ترجمہ اخبار پرتاپ (لاہور) مورخہ ۹ ستمبر میں شائع ہو چکا ہے۔ "پھر ہندو شاستروں میں طلاق کی اجازت ہے" کے عنوان سے بندے ماترم میں لکھا ہے:۔

"مسٹر کے ایم۔ منشی ممبر بمبئی کونسل نے ایک تقریر میں کہا۔ کہ ہندو شاستروں میں درج ہے۔ کہ عورت اور خاوند باہمی رضامندی سے ایک دوسرے کو طلاق دے سکتے ہیں۔ آپ نے اس دعویٰ کی تائید میں نارد۔ وشسٹ۔ دیوال۔ بودھاین۔ کاتیاین اور منو کے حوالے دئے۔ چنانچہ شاستر میں بھی اس کی اجازت دی گئی ہے۔" (۱۶ر ستمبر ۱۹۲۸ء)

گویا یہ تحریک شروع ہے اور عنقریب وہ دن آنے والے ہیں۔ کہ قدیم ہندو بھی اسلام کے اس پر حکمت قانون کے آگے گردنیں خم کر دیں گے۔ جس سے اسلام کی عالمگیری اور کامل مذہب ہونے کا ایک اور ثبوت مل جائے گا ؎

صاف کھل جائیگا لوگوں پر کہ دیں کس کا ہے دیں
پاک کر دینے کا تیرتھ کعبہ ہے۔ یا ہردوار

خاکسار:۔ اللہ دتا جالندھری

تحصیل شکرگڑھ میں تبلیغی لیکچر

جملہ احمدیان تحصیل شکرگڑھ کو مطلع کیا جاتا ہے۔ کہ موضع گوبرالا پٹریوی میں میلے کے موقعہ پر ۲۶ر اکتوبر ۱۹۲۸ء سے ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۸ء تک تبلیغی لیکچروں کا انتظام کیا گیا ہے۔ گیانی سردار احمد صاحب اور دوسرے کئی دوست لیکچر دیں گے۔ نیز اس علاقہ میں باقاعدہ تبلیغ کرنے کے لئے ایک انجمن مقرر کی جائیگی۔ جس کی کمیٹی ۲۸ر اگست ۱۹۲۸ء بروز اتوار ہوگی۔ سب دوستوں کو چاہئیے کہ ضرور اس دینی کام کے لئے تشریف لائیں۔ جلسہ متصل لوئر مڈل سکول مسجد میں ہوگا:۔ خاکسار سید محمد لطیف از چک قاضیاں تحصیل شکرگڑھ

معاصر فاروق کا خاص نمبر

معاصر فاروق کئی ماہ سے میر قاسم علی صاحب کی ادارت میں نہایت پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے یوں تو اس کا ہر ایک پرچہ محنت اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا خاص نمبر جو اواخر ستمبر میں شائع ہوا۔ اس قدر مقبول ہوا ہے کہ دوستوں کے اصرار پر جناب میر صاحب اسکو کتابی صورت میں شائع کرنے کا انتظام کر رہے ہیں۔ دوستوں کو چاہئیے کہ اسکی خریداری کیلئے جلد از جلد درخواستیں بھیجدیں۔ اور پوری سرگرمی سے اسکی اشاعت میں حصہ لیں۔ کیونکہ یہ ان اباطیل کا نہایت موزوں جواب ہے جنہیں سلسلہ حقہ کے چند بدخواہ اشاعت دے رہے ہیں نیز اخبار کی توسیع اشاعت

آدی ہندو سبھا چھاؤنی فیروزپور کے دو اہم ریزولیوشن

مورخہ ۱۵ راکتوبر ۱۹۲۸ء کو چھاؤنی فیروزپور آدی ہندو گرل سکول کے احاطہ میں ایک خاص جلسہ منعقد ہوا جس میں مختلف محلوں کے آدی بھائی بہت سے شریک ہوئے۔ اور کئی ریزولیوشن پاس ہو کر بالاتفاق رائے پاس ہوئے۔ جن میں سے ذیل کے دو اہم ریزولیوشن حسب درج کئے جاتے ہیں:-

۱- راؤ بہادر- ایم- سی راجا ممبر بیجیس لیٹو اسمبلی ہماری اچھوت جاتیوں کے سچے نمائندہ ہیں۔ اور ہمیں ان کی ایسی نیک کوششوں پر پورا بھروسہ ہے۔ اس لئے ہم سائمن کمیشن سے بڑے ادب کے ساتھ درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ ہماری چھوٹی جاتیوں کے متعلق سچے حالات راؤ بہادر موصوف سے حاصل کریں۔

۲- بہت سے اونچی ذات کے ہندو اخبارات کے اندر اچھوت جاتیوں کے ساتھ آجکل کئی مضامین ظاہر میں ہمدردی کرنے والے نکلتے ہیں۔ مگر اصل میں وہ مضمون کوئی نہ کوئی پولیٹیکل رنگت لئے ہوئے اکثر اونچی ذاتوں کے ہی مفاد کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ آج کل کئی ہندو اخبارات کے اندر یہ شائع ہو رہا ہے۔ کہ جب تم سے کوئی دریافت کریگا تمہاری ذات کیا ہے۔ تو تم فوراً کہدو کہ ذات کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی اپنی ذات بتلانا چھوڑ دو۔ اس پر ہم اپنے اچھوت بھائیوں سے یہ درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ ہر جگہ اپنا پتہ لکھاتے وقت اپنی ذات ضرور ہی لکھایا کریں۔ بلکہ ہندوستان کے اصلی باشندے یعنی آدی کا لفظ بھی (جو بعد ازاں آریہ نسل کے لوگوں کے آنے سے اچھوت کہلائے گئے ہیں) ضرور لکھایا کریں۔ تاکہ آئندہ مردم شماری میں ٹھیک پتہ لگ سکے۔ کہ ہندوستان میں غریب جاتیوں کی مردم شماری کس قدر زیادہ ہے۔ اور ملک کے اندر غریبی کیسی وسیع اور گہری ہے۔ پھر ایسا معلوم ہونے پر غریب جاتیوں کی حالت بہتر کرنے کے لئے مناسب تدابیر کام میں لائی جاسکتی ہیں۔ نہیں تو غریب جاتیوں کو اپنی ذات چھپانے سے بہت بھاری نقصان پہنچیگا۔ کیونکہ پھر وہ اونچی ذات کے ہندوؤں کی تعداد کے نیچے دب کر اپنی رہی سہی ہستی کو ہمیشہ کے لئے کھو بیٹھینگے۔ ہاں اسلام اور عیسائی مذاہب کے اندر جہاں سب انسانوں کے لئے مساوی حقوق عمل میں آرہے ہیں۔ اگر ان دو مذاہب کے پیرو اپنی کسی ذات یا تفرق کا پتہ دینا نہ چاہیں۔ تو وہاں انہیں چنداں نقصان نہیں ہوگا۔ لیکن ہندو مذاہب کے اندر تو ادنیٰ جاتیوں کو جن کے انسانی حقوق ہزار ہا سالوں سے پامال ہو رہے ہیں اس جگہ ہمیں سب سے پہلے یہ ضروری ہے۔ کہ ہم اپنی رہی سہی ہستی کو قائم رکھنے کیلئے اپنی ذات ضرور لکھایا کریں۔ جب ہماری ہستی ہی قائم نہ رہیگی۔ تو پھر ہمارے انسانی حقوق کو کون تسلیم کرے گا؟

دین کو دنیا پر مقدم کرنیکا عملی ثبوت

مندرجہ ذیل احباب کرام کے اسماء گرامی کی فہرست معہ مختصر سی کیفیت کے جنہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عملی ثبوت ستمبر ۱۹۲۸ء میں دیدیا ہے۔ شکریہ کے ساتھ شائع کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے ان سب احباب کی قربانیوں کو قبول فرمائے۔ اور دوسرے احباب کو بھی جو قربانی کی اس حد تک نہیں پہونچے۔ ان کو بھی اشاعت اسلام کے لئے بیش از بیش قربانیاں کرنے کی توفیق ملے۔

اے مقدس جماعت احمدیہ کے فرزندو! اٹھو اور وصیت جیسی نعمت اور قربانی کرکے اپنے اخلاص اور ایثار کا ثبوت دو اور خدا سے خاص انعام پاؤ کیونکہ وصیت اخلاص کے پرکھنے کا معیار ہے۔ اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عملی ثبوت جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وصیت کو اپنے زمانہ کا امتحان قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اس وقت کے امتحان سے بھی اعلیٰ درجہ کے مخلص جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے۔ دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جائیں گے۔ اور ثابت ہو جائے گا۔ کہ بیعت کا اقرار انہوں نے سچا کرکے دکھلا دیا ہے۔ اور اپنا صدق ظاہر کر دیا۔ اس کام میں سبقت دکھلانے والے راستبازوں میں شمار کئے جائیں گے اور ابد تک خدا تعالےٰ کی ان پر رحمتیں ہونگی" (رسالہ الوصیت ص ۲۶)

مندرجہ ذیل فہرست ان اصحاب کی ہے۔ جو علاوہ حصہ متروکہ جائداد دینے کے وعدے کے اپنی ماہوار آمد کا بھی حصہ دینے لگ گئے ہیں۔ اور اس طرح اپنے اموال کا بہت سا حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرکے اپنا گھر جنت میں بناتے ہیں۔

"ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ"

۱- مسماۃ آمنہ بی بی صاحبہ زوجہ سید محمد طفیل صاحب گوکھووال ۲۷۶ عسہ کا ۱/۱۰ حصہ ۶ ماہوار

۲- مولوی فضل دین صاحب ہنگر ۲۹۰ عسہ کا ۱/۱۰ حصہ ۶ ماہوار

۳- مولوی محمد مبارک صاحب صوبہ ڈیرہ ریاست خیرپور میرس عسہ کا ۱/۱۰ حصہ ۱۲/۱ ماہوار

۴- چوہدری فقیر محمد صاحب انسپکٹر پولیس کیمبل پور ماہوار کا ۱/۴ حصہ ماہوار

۵- مولوی مہرالدین صاحب لالہ موسیٰ گجرات کا ۱/۳ حصہ ماہوار

۶- پیر منظور حق صاحب قادیان ماہوار کا ۱/۳ حصہ ماہوار

۷- میاں غلام محمد صاحب پیر خوشنویس کا ۱/۱۰ حصہ احمدیہ ہوسٹل لاہور کا ۱/۱۰ حصہ

۸- منشی علی محمد خاں صاحب بلوچ ساکن بستی نمبردار ڈیرہ غازی خاں کا ۱/۱۰ حصہ ماہوار

۹- [illegible] صاحب (منشی برکت علی خاں صاحب) [illegible]

ایک غلط بیانی کی تردید

بعض مخالفین کی طرف سے میرے احمدی دوستوں کو مغالطہ دیا جا رہا ہے۔ کہ یہ شخص احمدیت سے تائب ہو گیا ہے۔ اور بعض دوستوں کی طرف سے مجھے ایسے خطوط بھی موصول ہوئے ہیں۔ جن میں مجھ سے دریافت کیا گیا ہے۔ کہ آپ واقعی احمدیت سے تائب ہو گئے ہیں۔ میں اپنے محترم بزرگ دوستوں کی آگاہی کے لئے اعلان عام کرتا ہوں۔ کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام دعاوی پر یقین کامل رکھتا ہوں۔ اور میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے احمدیت پر قائم ہوں۔ دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اگر کوئی شخص پھر میرے متعلق ایسی بات کہے۔ تو اس کو میرا یہ اعلان دکھلا دیں۔

خادم حضرت محمد ﷺ عبدالعزیز احمدی از گلیانہ

اعلان

ایک احمدی نوجوان زرگر جو قادیان میں ہجرت کرکے آئے ہوئے ہیں۔ اپنے کام میں خوب ماہر ہیں۔ غیر احمدی۔ احمدیت سے ارتداد بیان کو رشتہ دینے کے لئے اب بھی تیار ہیں۔ لیکن یہ نوجوان ثابت قدم ہے۔ لہذا میں مقامی جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ ان کے رشتہ کے لئے مناسب جگہ تحریک کرکے مجھے اطلاع دیں۔

ناظر امور عامہ قادیان

الفضل میں اشتہار دیں

اخبار الفضل جماعت احمدیہ کا آرگن ہے اس لئے ہندوستان اور غیر ممالک میں نہایت دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔ اور لاکھوں انسان شوق سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ لہذا تاجر پیشہ احباب کے لئے الفضل میں اپنے اشتہار شائع کرانا ان کے کاروبار کے لئے نہایت مفید اور منفعت بخش ہوگا۔ نرخ بالکل واجبی ہیں۔ اور مستقل طور پر اشتہار دینے والوں کو خاص رعایت بھی دی جاتی ہے۔ ضرورتمند احباب جلد خط و کتابت کریں۔

ہندوستان کی خبریں

شملہ - ۱۰ر اکتوبر - پشاور سے اطلاع موصول ہوئی ہے - کہ کابل کے سابق قاضی القضاۃ ملا عبدالرحمن اور ان کے ساتھ تین اور مولویوں کو جو بغاوت کے الزام میں ماخوذ تھے - گذشتہ ہفتہ کابل میں پھانسی دیدی گئی

شملہ - ۱۱ر اکتوبر - ہز ایکسیلنسی وائسرائے ۱۲ر اکتوبر کو ریاست ناہن روانہ ہوں گے - جہاں آپ ایک ہفتہ تک قیام کریں گے - اور ۲۰ر اکتوبر کو دہلی واپس آجائیں گے ؛

پشاور - ۱۶ر اکتوبر - مزار شریف افغانستان کے اخبار بیدار کی حال کی اشاعت میں ان سزاؤں کے متعلق ایک بیان شائع ہوا ہے - جو سال رواں میں مزار شریف کی کوتوالی کے اعلیٰ حاکم نے دی ہیں - اس بیان میں ظاہر کیا گیا ہے - کہ تین اشخاص کو نقب زنی کے الزام میں سزائے موت دیگئی - ان میں سے دو کو گولی سے مار دیا گیا - اور تیسرے کو مزار شریف کے نائب الحکومت کے حکم سے دہن توپ سے اڑا دیا گیا -

پشاور - ۱۶ر اکتوبر - موثق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۱۹ء کے برطانوی افغانی معاہدے پر دستخط کرنے والے افغانی سردار اور امیر حبیب اللہ کے فرزند سردار عنایت اللہ خاں کو بغاوت کے جرم میں حکومت افغانیہ نے گرفتار کر لیا ہے -

انڈین نیشنل ہیرلڈ کا نامہ نگار خصوصی لکھتا ہے کہ مہاراجہ الور نے ریاست کے متعدد رقبے اراضیات جن پر بی - بی - سی - آئی ریلوے کا قبضہ ہے - مبلغ ۸۰ لاکھ روپے میں فروخت کر دئے ہیں - اس میں سے دس لاکھ روپیہ تو سلور جوبلی پر خرچ ہوگا - نیز مہاراجہ صاحب کی جن کی عمر پچاس سال کے قریب ہے - موضع وڈا (کاٹھیاواڑ) کی ایک ۱۲ سالہ لڑکی سے شادی ہوگی - لڑکی کا باپ خود ۳۵ سال کا ہے -

بمبئی ۲۰ر اکتوبر - پونا کی ایک اطلاع مظہر ہے - کہ کرکی میگزین کے ملازموں نے تخفیف کی جدید تجاویز کی وجہ سے ہڑتال کر دی ہے ؛

لاہور ۱۹ر اکتوبر - پنجاب گورنمنٹ کے زرعی محکمہ نے ۳۰ر نومبر سے ۳ر دسمبر تک پھولوں کی نمائش کے ساتھ پھلوں اور سبزیوں کی نمائش کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے -

مسٹر جناح کے ہندوستان میں ۲۶ر اکتوبر کو پہونچنے کی توقع ہے - امید ہے - کہ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں شریک ہوں گے -

بھوانی پور (بنگال) کے ایک برہمن نے ۲½ لاکھ روپیہ کی جائداد ہندو بیواؤں کی امداد کے لئے وصیت کی ہے -

انڈین نیشنل کانگریس کے صدر ڈاکٹر انصاری اتوار کی صبح کو ناگپور آ رہے ہیں - آپ لوگ مانیہ تلک آنجہانی کے مجسمہ کی نقاب کشائی کریں گے ؛

بمبئی - ۱۹ر اکتوبر - احاطہ بمبئی کی آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس ۲۵ر اکتوبر کو زیر صدارت پنڈت موتی لال نہرو منعقد ہوگا ؛

بلگام - ۲۰ر اکتوبر - مسٹر انگ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس - مسٹر ٹرنر انسپکٹر پولیس - اور مسٹر موگھے انسپکٹر پولیس وغیرہ کے خلاف رشوت ستانی کا جو مقدمہ چل رہا تھا - اس کا فیصلہ صاحب ایڈیشنل جج نے سنا دیا - صاحب جج نے جیوری کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے مسٹر رنگ اور مسٹر ٹرنر کو دو دو سال قید سخت اور دو ہزار روپیہ جرمانہ مسٹر موگھے کو ایک سال قید سخت اور ایک سو روپیہ جرمانہ اور ایک پولیس ہیڈ کو ایک سال قید سخت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزائیں دیں -

الہ آباد - ۲۰ر اکتوبر - نہرو کمیٹی کی رپورٹ کا ہندی ایڈیشن شائع ہو گیا ہے - وجے پریس الہ آباد سے بقیمت دو روپے فی جلد مل سکتا ہے - اس میں لکھنؤ کانفرنس کی کارروائیاں بھی بطور اختصار شامل کر دی گئی ہیں -

بنارس - ۲۰ر اکتوبر - ۱۴ر اکتوبر سے شہر میں بجلی کی روشنی کا انتظام مکمل ہو گیا ہے - دو دن کے اندر شہر میں تقریباً بیس بندر بجلی کے تاروں میں الجھ کر مر چکے ہیں - بندروں کے مرنے سے شہر کے کثر ہندوؤں میں روشنی کے اس مہلک انتظام کے خلاف غم و غصہ کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں -

سانبہ - ۲۰ر اکتوبر - مہاراجہ صاحب جموں کے حکم سے اچھوتوں کو سکولوں میں داخلہ کی اجازت مل گئی ہے - لیکن بعض ماسٹر ابھی تک اس حکم کو عملی جامہ پہنانے میں پس و پیش کر رہے ہیں

ڈیرہ اسمٰعیل خاں - ۱۲ر اکتوبر - شمسان بھومی سے ہڈیاں چراتے ہوئے چند ہندو پکڑے گئے ہیں - ان کے خلاف پولیس نے مقدمہ بنایا - اور عدالت نے ان کو چھ چھ ماہ قید کی سزا دیدی -

شملہ - ۱۹ر اکتوبر - اس دفعہ لندن میں کھلا امتحان مقابلہ جو ہوا ہے - اس کے سلسلہ میں انڈین سول سروس کے لئے ۵۲ ہندوستانی اور یورپین امیدوار منظور ہوئے ہیں -

ہمعصر ریاست کو معلوم ہوا ہے - کہ مہاراجہ صاحب نابھہ کا الاؤنس دس ہزار روپے سے کم کر کے پانچ ہزار روپیہ ماہوار کر دیا گیا ہے - دست برداری کے وقت آپ کا الاؤنس ۲۵ ہزار روپیہ ماہوار مقرر ہوا تھا -

خبر ہے - کہ صرف بنگال کی ہی طرف سے سائمن کمیشن کے پاس ۱۲۰ میمورینڈم پیش کئے جائیں گے ؛

امرت سر - ۱۲ر اکتوبر - دربار صاحب امرتسر میں آج صبح سے پنج خالصہ سکھوں کے ایک جتھے کی انتظار ہو رہی ہے - جو سینکڑوں مردوں اور عورتوں پر مشتمل اس غرض سے آ رہا ہے - کہ دربار صاحب پہنچ کر ستیہ گرہ کریں - ان لوگوں نے گرنتھ صاحب میں کچھ تبدیلی کر دی ہے - نیز ان کا ارادہ سا مختلف ہونے کے باعث انہیں دربار صاحب میں اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں جس کے خلاف پر و ٹسٹ کے طور پر وہ ستیہ گرہ کی صورت میں آ رہے ہیں - دوسری جانب سے بھی دربار صاحب میں نہ آنے کا پورا انتظام کیا ہے

غیر ممالک کی خبریں

واشنگٹن - ۱۴ر اکتوبر - واشنگٹن (امریکہ) اور میڈرڈ (ہسپانیہ) کے درمیان لاسلکی اور بحری تار کا ٹیلیفونی سلسلہ پایہ تکمیل تک پہونچ چکا ہے - شاہ الفانسو والئے ہسپانیہ نے صدر جمہوریہ امریکہ کے ساتھ اس سلسلہ پر گفتگو کی

لیک ہرسٹ - ۱۵ر اکتوبر - جرمنی کا ہوائی جہاز گراف زپلین آج شام کے ½۵ بجے یہاں پہونچ گیا - یہ جہاز جرمنی سے مسافر لے کر امریکہ کو روانہ ہوا تھا - جہاز کو راستہ میں کچھ حادثہ پیش آگیا - اس حادثہ سے جہاز کا ایک حصہ ٹوٹ گیا لیکن چند جانباز جرمنوں نے ہوا میں معلق ہو کر اس کی مرمت کر لی

کابل کا ایک اخبار رقمطراز ہے - کہ شاہ افغانستان نے اپنے ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں احکام جاری کئے ہیں کہ خاص خاص نوجوانوں کو کابل بھجوایا جائے تاکہ اصلاحات کی نوعیت سے خبردار کیا جائے - اور وہ اپنے اپنے علاقہ میں جا کر افغان قوم کی ترقی کے لئے حکومت کو امداد دیں - اس حکم میں یہ بھی لکھا ہے - کہ اگر کوئی نوجوان اپنی خوشی سے کابل آنا پسند نہ کرے تو اسے حکماً بھجوایا جائے ؛

لندن - ۱۷ر اکتوبر - سوویٹ گورنمنٹ آئندہ ماہ نومبر کی ۹ر تاریخ کو مقام برلن میں ان تصاویر و فرنیچر مختلف قسم کے فرش و دیگر مختلف اشیاء جو کہ زار روس و روسی امرا کی ملکیت سے ہیں فروخت کریگی - بالشویکوں نے تمام پرائیویٹ سامان پر قبضہ کر لیا ہے - اور اس طرح پر انہوں نے تیس کروڑ پونڈ کا خزانہ حاصل کیا ہے ؛

لندن - ۲۰ر اکتوبر - سرکاری ڈاک اور تار گھر نے قبول کر لیا ہے - کہ وہ ڈاکٹر مالسن کو امداد دے گا - جو آئندہ ہفتہ میں جزیرہ مریخ کو برقی پیام بھیجیگا - ڈاکٹر مذکور بلدیہ شورڈچ کا سیکرٹری (کلرک) تھا - یہ رگبی سے تار دیگا - سرکار نے ایک روپیہ دو آنے فی لفظ اجرت وصول کی ہے - مقام سینٹ البنز میں ایک خاص برقی آلہ لگایا جائیگا - اور تار گھر کے افسر یہاں جواب کا انتظار کریں گے - ڈاکٹر مالسن کا بیان ہے - کہ اس کے اور جزیرہ مریخ کی ایک ساکنہ عورت کے مابین قلبی تعلق ہے - اور دل را بدل رہیست کے اصول پر اس نے اس سے بارہا گفتگو کی ہے - اس کو توقع ہے کہ پیام کی ترسیل کے ۸ منٹ بعد جواب آ جائے گا ؛

لیڈی کرزن اگلے دسمبر میں ہندوستان آ رہی ہیں وائسرائے کے ہاں مہمان ہونگی - ان کی خواہش ہے - کہ ایسے مقامات کا معائنہ کریں - جن کو دیکھنے کی خواہش لارڈ کرزن کو تھی

قسطنطنیہ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ وزیر تعلیم کی ایک سکیم گورنمنٹ نے شائع کی ہے - جسمیں یہ درج ہے کہ ترکی کے ۴۰ سال کی عمر کے اوپر جو مرد اور عورتیں ہیں - انہیں پڑھنا لکھایا جائیگا - اس کام کیلئے ۱۲ ہزار

(عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپوا کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا -)

جناب مرزا سلطان احمد صاحب کی دعوت صلح اور غیر مبایعین کا رویہ

"پیغام صلح" نے اپنے ۱۹؍اکتوبر کے پرچہ میں ایک طرف تو نہایت جلی قلم سے "الفضل" پر "ازالہ حیثیت عرفی کا فوجداری مقدمہ" دائر کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف جناب مرزا سلطان احمد صاحب کے ایک تازہ ٹریکٹ کے چند الفاظ نقل کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ

"جناب مرزا صاحب کی اس تجویز کا ہم صدق دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ "الفضل" اور اس کے ساتھ دوسرے قادیانی اخبارات فاروق اور ریویو وغیرہ بھی اس تجویز کو عملی جامہ پہنائیں۔ لیکن اگر قادیانی اخبارات اس تجویز پر عمل پیرا نہ ہوں۔ تو مناقشہ کے بڑھانے کی ذمہ واری ظاہر ہے۔ کہ ان پر ہوگی۔ اور "پیغام صلح" اس سے بری الذمہ ہوگا"۔

جن اصحاب کی نظر سے جناب مرزا سلطان احمد صاحب کا وہ ٹریکٹ گذرا ہوگا جس کے چند الفاظ "پیغام صلح" نے پیش کئے ہیں۔ وہ "پیغام" کے مناقشہ کے بڑھانے کی ذمہ واری سے بری الذمہ ہونے کے اس بیان کو ستم ظریفی کے سوا کچھ نہ قرار دیں گے۔ کیونکہ اسی ٹریکٹ میں جناب مرزا صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے:۔

"اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ کہ اگر تم میں کوئی فساد یا تنازع ہو جائے۔ تو اُس تنازع کو اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ۔ کیا شرم کی بات ہے۔ کہ اب ہم باوجود ادعائے اسلام اور مسلمان ہونے کے مذہبی تنازعات کے پیدا ہونے کی صورت میں سب سے اول ضابطہ فوجداری۔ ضابطہ دیوانی اور ہائیکورٹ کے فیصلوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیا اچھا عمل کر کے دکھایا ہے۔ ہندو اور عیسائی ہماری یہ حالت اور درگت دیکھ کر کھلے بندوں کہتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ قرآن مجید یہ کہہ رہا ہے۔ کہ ادنےٰ سے ادنےٰ تنازعات کی صورت میں تم کبھی بھی اور کسی حالت میں بھی عدالتوں کی چوکھٹ نہ کھٹکھٹاؤ۔ اور ہم ہیں۔ کہ باوجود اس کے بھی طرہ مولویت سر پر رکھ کر برابر عدالتوں کی طرف جھکے جاتے ہیں"۔

پیغامیوں کا ایک طرف دیوانی اور فوجداری ضابطہ کی پناہ ڈھونڈھنا اور عدالتوں کی چوکھٹ کو کھٹکھٹانا اور دوسری طرف یہ کہنا۔ کہ وہ جناب مرزا سلطان احمد صاحب کی تجویز کا "صدق دل سے خیر مقدم کرتے ہیں" محض ایک دھوکا ہے۔ جو سب کچھ کرتے ہوئے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دینے کے لئے دیا جا رہا ہے۔ مگر پیغامیوں کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ کہ اس میں کامیاب ہو سکیں گے۔ *

حیدر آباد میں عید میلاد النبی صلعم اور جماعت احمدیہ کا چونتیسواں سالانہ جلسہ

حیدر آباد دکن ۲۰؍اکتوبر ۱۹۲۸ء۔ سید بشارت احمد صاحب جنرل سیکرٹری انجمن احمدیہ حسب ذیل اطلاع بذریعہ تار ارسال کرتے ہیں:۔

انجمن احمدیہ حیدر آباد نے اردو و انگریزی میں دعوتی کارڈ اور پوسٹر کثیر تعداد میں شائع کرنے کے بعد ۱۸ و ۱۹۔ ماہ حال کو میلاد النبی اور چونتیسواں سالانہ جلسہ کی تقریبات ادا کیں۔ پہلے دن کی کارروائی نواب ناظر یار جنگ بہادر ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی بار ایٹ لا۔ جج ہائیکورٹ کے زیر صدارت ہوئی۔ اور حکیم سید محمد احسن صاحب نواب اکبر یار جنگ صاحب اور مولانا الحاج نیر کی تقاریر ہوئیں۔ مولانا نیر نے دو تقریریں کیں۔ ایک "مسئلہ شفاعت" پر اردو میں۔ اور دوسری طلبا کالج کی درخواست پر "محمد (صلعم) کامل انسان ہیں" کے موضوع پر انگریزی میں۔ آپ کی تقاریر بہت پسند کی گئیں۔ اور سامعین پر جن میں ہر طبقہ و خیال کے لوگ شامل تھے۔ بہت اچھا اثر ہوا۔

دوسرے روز مولانا نیر نے مقامی احمدی احباب اور دوسرے مہمانوں کے مجمع میں نماز جمعہ کے موقعہ پر ایک عالمانہ خطبہ بیان کیا۔ جمعہ کے بعد بہاؤالدین صاحب نے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر تقریر کی۔ اور ایک ساؤتھ امریکن عیسائی نوجوان نے مولانا نیر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ مولانا نیر نے بیسویں صدی میں رسول مقبول صلعم۔ کی روحانی فتوحات کے موضوع پر بذریعہ میجک لیٹرن تقریر کی۔ *

مولانا نیر کی دلآویز طرز گفتگو اور اعلےٰ اخلاق کے باعث اعلےٰ طبقہ کے معزز مسلمان کثرت سے شریک ہوئے۔ ایک ہندو لیڈر دیوان بہادر۔ آر۔ ایم۔ آئینگر بھی موجود تھے۔ مولانا نیر نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی بمعہ دلائل نہایت مدلل طور پر بیان کئے۔ نیز آپ کی تعلیم کو پیش کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کے متعلق غلط فہمیوں کی تردید کی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہندوستان اور ممالک غیر میں کامیابیوں کا ذکر دلآویز پیرایہ میں کیا۔ مستورات بھی شامل تھیں۔ اعلےٰ پیمانہ پر ریفرشمنٹ کا انتظام تھا۔ احمدیہ ینگ مین ایسوسی ایشن کے والنٹیروں نے شاندار خدمات سر انجام دیں۔ الحمد للہ۔ اعلےٰ حضرت والئے دکن اور شہزادگان بلند اقبال کے لئے دعا خیر پر کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔ *

اے دُرِ بے بہا عدن پھر عدن میں آ

از جناب مولوی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر

یہ نظم جناب مولوی عبدالرحیم صاحب درد کی آمد کے موقعہ پر پڑھی گئی۔

اے عندلیبِ گلشنِ احمد چمن میں آ۔
خوش خوش وطن کو چھوڑا تھا خوش خوش وطن میں آ۔

کب تک رہے گا دوریٔ منزل کا یہ حجاب
پردہ اٹھا جمال دکھا انجمن میں آ

پھر نغمہائے دلبر و درد آفریں سُنا
گرم سخن ہو شوق سے بزم سخن میں آ۔

یارانِ ہم طریق سے مل مجلسوں میں بیٹھ
خم خانۂ حیات فزا و کہن میں آ

خوشبوئے جاں فزا سے معطر دماغ کر
اے دل فسردہ محفل گل پیرہن میں آ

دھو ڈال دل سے گرد و غبارِ مفارقت
پھر اے غزال نافہ مشکیں ختن میں آ۔

کب تک رہے گا رونقِ بازارِ ناکساں
اے دُرِ بے بہائے عدن پھر عدن میں آ

یارانِ باصفا کو ترا انتظار ہے
دربار خسروی ہے بھرا نورتن میں آ

سُلجھا دے آ کے دردِ جدائی کی گتھیاں
مانندِ شانہ زلفِ شکن در شکن میں آ

ہے قادیاں مدینہ اوتار برہمن
منڈلی ہے جمع مجلس صد برہمن میں آ

لے خلعتِ عنایتِ محمود اے ایاز
دربار عام خسرو شاہ زمن میں آ

گوہر کی طرح سینکڑوں یاں نغمہ سنج ہیں
بزم رباب و چنگ و نے و جل ترنگ میں آ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفضل

نمبر ۳۴ | قادیان دارالامان مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۸ء | جلد ۱۶

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھُوَ النَّاصِر

نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح

قانون اساسی کی تبدیلی میں مسلمانوں کا دخل ہونا ضروری ہے

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کے قلم سے

(۶)

مسلمانوں کا چوتھا مطالبہ

مرکزی حکومت میں اسلامی نیابت

چوتھا مطالبہ مسلمانوں کا یہ تھا۔ کہ مرکزی حکومت میں انھیں ایک ثلث نیابت دی جائے۔ اور کم سے کم ان کے موجودہ حق کو کم نہ کیا جائے۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس مطالبہ کو بھی رد کر دیا گیا ہے۔ نہرو رپورٹ میں لکھا ہے:-

"ہم نے خوب غور کیا ہے۔ لیکن ہم افسوس کرتے ہیں۔ کہ ہم مرکزی پارلیمنٹ کی کل نشستوں میں سے ایک تہائی کی مسلمانوں کے لئے سفارش نہیں کر سکتے" صفحہ ۵۲

اس کی جگہ جو کچھ رپورٹ تجویز کرتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جن صوبوں میں مسلمان بہت کم ہیں۔ ان میں ان کے حقوق بقدر آبادی محفوظ کر دئے جائیں۔ اور پنجاب اور بنگال میں آزاد مقابلہ رہے۔

مجنونانہ خیال

میں یہ بتا چکا ہوں۔ کہ خود نہرو رپورٹ کے بیان کے مطابق ان صوبوں میں جن میں مسلمان کم ہیں۔ مسلمانوں کا زیادہ حق لے لینا تو بڑی بات ہے۔ وہ اس قدر حق بھی نہیں لے سکتے۔ جس قدر حق کہ ان کو آبادی کے لحاظ سے ملنا چاہیئے۔ پس یہ امید کرنی کہ اس انتظام کے رو سے مسلمانوں کو ان کی آبادی سے زیادہ حق مل سکیگا ایک مجنونانہ خیال ہے۔ پس نہرو کمیٹی کے فیصلہ کے رو سے مسلمانوں کا سخت نقصان ہوا ہے۔ اور ضروری ہے۔ کہ کم سے کم ایک ثلث ممبریوں کا حق ان کے لئے محفوظ رکھا جائے۔

نہرو رپورٹ کے دلائل

نہرو کمیٹی جو دلائل اس کے خلاف پیش کرتی ہے۔ وہ یہ ہیں۔ کہ

۱۔ کسی قوم کو اس کی تعداد سے زائد حق دینا اصول کے خلاف ہے۔

۲۔ اگر مسلمانوں کو زائد حق دیا گیا۔ تو دوسری قلیل التعداد جماعتوں کی حق تلفی ہوگی۔

۳۔ اگر مسلمانوں کے لئے ایک ثلث نشستیں خاص کر دی جائیں تو ان کی تقسیم کا کیا طریق ہوگا؟ اس طرح ہمیں لازماً پنجاب اور بنگال میں بھی مسلمانوں کو محفوظ نشستوں کا حق دینا پڑیگا۔ جسے ہم غلط ثابت کر چکے ہیں۔ پس علاوہ اس کے کہ یہ بات اصولی طور پر غلط ہے۔ اس پر عمل کرنے میں بھی مشکلات ہیں۔

تعداد سے زائد حق

پہلی بات کہ کسی جماعت کو اس کی تعداد سے زائد حق دینا اصول کے خلاف ہے۔ بالکل درست نہیں۔ اگر یہ بات درست ہوتی۔ تو بین الاقوامی گفتگو میں ہمیشہ بڑی حکومتوں کے نمائندے زائد ہوتے۔ اور چھوٹی حکومتوں کے کم لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ رائے کے لحاظ سے وہی حق بلجیم کو جو ایک چھوٹی سی حکومت ہے۔ حاصل ہے۔ جو کہ برطانیہ کو جو چالیس کروڑ افراد پر مشتمل ہے۔ پس قوموں کے حقوق کے وقت خالی تعداد نہیں دیکھی جاتی۔ بلکہ تعداد کے علاوہ اور امور بھی قابل غور ہوتے ہیں۔

نیابتی حکومت کی حقیقت

میرے نزدیک نیابت کی نسبت کے سمجھنے کے لئے نیابتی حکومت کی حقیقت کو بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ نیابتی حکومت کی بنیاد اس اصل پر ہے۔ کہ ہر انسان آزاد ہے۔ لیکن (۱) وہ ایک کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہے۔ کہ کسی نہ کسی حکومت سے وابستہ ہو (۲) آزادی کا استعمال اسی وقت جائز ہے۔ جبکہ اس سے دوسروں کو نقصان نہ پہونچتا ہو۔ چونکہ یہ دونوں مقصد بغیر ایک نظام سے وابستہ ہونے کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے حکومت کا قیام ضروری ہے۔ چونکہ یہ امر تسلیم کیا جا چکا ہے۔ کہ ہر انسان آزاد ہے اس لئے حکومت کا بہترین طریق وہی ہوگا۔ جس میں فرد کی آزادی کم سے کم قربان ہو۔ اور حکومت میں زیادہ سے زیادہ ممکن حصہ اسے حاصل ہو۔ چونکہ حکومت بہت سے افراد کے ملنے سے ہوتی ہے۔ اور کوئی مجموعہ بہت سے افراد کا ایسا نہیں مل سکتا۔ کہ جس کی رائے ہر اک امر میں متفق ہو۔ اس لئے درمیانی راہ حکومت کی یہ ہوگی۔ کہ ہر امر میں اس رائے پر عمل ہو جس پر زیادہ سے زیادہ لوگ متفق ہوں۔ اور چونکہ ہر امر پر لوگوں کی رائے لینا ناممکن ہے اس لئے آزادی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تجویز کی جائے۔ کہ بجائے مسائل پر رائے لینے کے ملک کے عاقلوں، بالغوں سے یہ رائے لے لی جائے کہ حکومت کے معاملات میں کن لوگوں پر وہ اعتبار کرتے ہیں۔ تا کہ پیش آمدہ امور میں ان سے رائے لے لی جایا کرے۔ اس کے سوا کوئی اور معقول وجہ نیابتی حکومت کے قیام کی نہیں ہے۔ لیکن یہ سلسلہ خیالات اپنی تمام کڑیوں میں ایک اصل کی طرف اشارہ کرتا چلا جاتا ہے۔ (اور وہ حریت افراد ہے۔ تمام افراد آزاد ہیں۔ اپنے معاملات میں فیصلہ کرنے کا کامل حق انھیں حاصل ہے۔ حکومت کی خاطر اپنے حق کو چھوڑ دینا ایک مجبوری کا امر ہے۔ ہر اک جو اپنی حریت کو چھوڑتا ہے۔ وہ گویا ملک و قوم کی خاطر ایک قربانی کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ وہ جانتا ہے۔ کہ انسانی طبائع مختلف ہیں۔ ایک معاملہ میں لوگ مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ تو دوسرے معاملہ میں مجھ سے اتفاق کریں گے۔ اس لئے میں ایک بات دوسروں کے لئے چھوڑ دیتا ہوں۔ کہ دوسرے موقعہ پر اسی قانون کے ماتحت میری بات مانی جائے گی۔

جہاں تک افراد کا سوال ہے۔ اور پھر خصوصاً سیاسیات کا یہ سمجھوتہ ٹھیک چلتا ہے۔ لیکن جس وقت قومیتوں اور مذہب کا سوال درمیان میں آجاتا ہے۔ یہ دلیل رہ جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی شخص قومیت اور مذہب کو قربان نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی رائے کو تو کثرت کے لئے اس وجہ سے قربان کرتا تھا۔ کہ دوسرے ہی معاملہ میں کثرت میرے ساتھ ہوگی۔ لیکن وہ مذہب اور قوم کو کس بنا پر قربان کر سکتا ہے۔ کیا وہ یہ امید کر سکتا ہے۔ کہ دوسرا بھی میری خاطر مذہب اور قوم قربان کر دے گا۔ اور فرض کرو۔ کہ دوسرا شخص اس امر کے لئے تیار بھی ہو جائے۔ تو کیا ایک دیانتدار آدمی اپنے مذہب کو اس لئے چھوڑ دیگا۔ کہ دوسرا بھی اپنے مذہب کو چھوڑنے کے لئے تیار ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس ایسے وقت میں لازماً وہ یہ سوال کرے گا۔ کہ میری قومیت اور مذہب کی حفاظت کا سامان کر دو۔ تب میں اپنا پیدائشی حق آزادی مجموعہ افراد کے حق میں چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔

مسلمانوں کے سامنے مذہب اور قومیت کا سوال

یہی سوال اس وقت ہندوستان میں پیدا ہے۔ مسلمانوں کے سامنے مذہب اور قومیت کا سوال ہے۔ سیاست کا سوال ہوتا تو وہ یہ سمجھ لیتے۔ کہ رائے ہر معاملہ میں بدلتی رہیگی۔ لیکن یہاں دو مختلف قومیں اور زبردست قومیں بستی ہیں۔ جن کے مذہب الگ ہیں۔ اور جن کے تمدن کے اصول الگ ہیں۔ پس ایک مستقل اکثریت کے مقابلہ میں ایک مستقل اقلیت بنکر رہنے کے لئے وہ کس طرح تیار ہو سکتے ہیں۔ جب تک کہ ان کے حقوق کی حفاظت کا انتظام نہ ہو جائے۔ یہاں سیاسی مسائل کا سوال نہیں کہ ہر مسئلہ پر اقلیت اور اکثریت بدلتی چلی جائیگی۔ بلکہ قومی اور مذہبی حقوق کا سوال ہے۔ یہ کہنا بالکل فضول ہو گا۔ کہ ایک دوسرے پر اعتبار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر یہی بات ہے۔ تو کیوں ہندو ہی مسلمانوں پر اعتبار کر کے انہیں نصف سے زیادہ نشستیں نہیں دیدیتے۔ اور دوسرے ہمارے سامنے ریاستوں اور سرکاری دفاتر کا تجربہ موجود ہے۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے آئندہ کے لئے حفاظت کا سامان نہ کرنا قومی خودکشی سے کم نہ ہو گا۔

غرض مستقل اقلیت اور اکثریت کا سوال ان اصول پر طے نہیں کیا جا سکتا۔ جو بدلنے والی اکثریت اور اقلیت کے سوال کے حل کرنے میں کام آتے ہیں۔ بلکہ ان اصول پر طے ہوتا ہے کہ جن پر دو مختلف حکومتوں کے باہمی اختلافات طے کئے جاتے ہیں۔ اور اگر ان حالات میں مسلمان زیادہ نمائندگی مانگتے ہیں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ آخر ان کے اس دعوے کا کیا رد ہے۔ کہ نیابتی حکومتیں اکثریت کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ ہم جو یہ قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ کہ حکومت ہند کو ہندو اکثریت کے ہاتھ میں دیدیں۔ تو کیا ہمارا اس قدر حق بھی نہیں۔ کہ ہم مطالبہ کریں۔ کہ قانون اساسی کی کوئی تبدیلی بغیر ہمارے مشورہ کے نہ ہو۔

قانون اساسی کی تبدیلی اور مسلمان

میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ کہ نہرو کمیٹی نے قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے ۲/۳ ممبروں کی رائے کی شرط رکھی ہے۔ اور اگر مسلمانوں کو ان کی تعداد کے برابر بھی ممبریاں مرکزی پارلیمنٹوں میں مل جائیں۔ تو انہیں ۱/۳ نشستیں ملیں گی۔ جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ قانون اساسی اس وقت بھی بدلا جا سکتا ہے۔ کہ جب ایک مسلمان بھی اس کی تائید میں نہ ہو۔ کیونکہ مسلمان نیابت اگر آبادی کے مطابق ہو۔ تو مسلمان ممبر پچیس فی صدی ہونگے اور ہندو پچہتر فی صدی اور قانون اساسی چھیاسٹھ فی صدی ممبر بدل سکتے ہیں۔ پس مسلمانوں کا حکومت میں دخل قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ تینتیس فی صدی نہیں بلکہ چونتیس فی صدی ممبریاں دونوں مرکزی پارلیمنٹوں میں مسلمانوں کو دی جائیں۔ ہندوؤں کو یہ سوچنا چاہیئے۔ کہ اس سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہونچتا۔ وہ پھر بھی اکثریت رہتے ہیں۔ مسلمان حکومت کے لئے حق نہیں مانگتے۔ وہ صرف اس قدر مانگتے ہیں کہ جس حق کی موجودگی میں ان کا اپنا حق نہ مارا جائے۔ ورنہ حکومت کرنے کے لحاظ سے چونتیس فی صدی اقلیت بھی ویسی ہی بیکار ہے۔ جیسے کہ پچیس فی صدی۔ ہندو صاحبان کا یہ کہنا کہ اقلیت کا کیا حق ہے۔ کہ وہ اپنی تعداد سے زائد حق مانگے۔ نیابتی حکومت میں بہرحال اکثریت حکومت کرتی ہے۔ ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ نیابتی اور انتخابی حکومتوں کا دارومدار فردی آزادی کے حق پر ہے۔ اگر فردی آزادی کا اصل درست نہیں۔ تو نیابتی اور انتخابی حکومت بھی ایک بے معنے شے ہے اور اگر فردی آزادی کا حق درست ہے۔ تو آٹھ کروڑ مسلمان جائز طور پر کہہ سکتے ہیں۔ کہ انتخابی اور نیابتی حکومت کا قیام فردی آزادی کے قیام کے لئے ہوتا ہے۔ پس ہم کس طرح اس طریق حکومت پر راضی ہو سکتے ہیں۔ کہ جو ایک چوتھائی آبادی کے حقوق کو بغیر حفاظت کے چھوڑ دیتا ہے۔

ہم اپنے لئے اکثریت کے طالب نہیں۔ مگر کیا ہم اس قدر حق کے طلب کرنے میں بھی حق بجانب نہیں۔ جو اس حق کی حفاظت کرتا ہو جس کے قائم رکھنے کے لئے ہی انتخابی اور نیابتی حکومت قائم کی جاتی ہے۔ اور جس کی خاطر فرد اپنی آزادی کو محدود کرتا ہے۔ اگر اکثریت کو اپنی غیر مبدل کثرت کے سبب سے حکومت کا حق حاصل ہے۔ تو پھر انتخابی اور جبری حکومت میں فرق کیا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ بے شک اکثریت کے لئے حکومت کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر اس سے مراد سیاسی اکثریت ہوتی ہے۔ جو حالات کے ماتحت بدلتی رہتی ہے۔ نہ کہ ایسی اکثریت جو دائمی ہو۔ اور جس کے بعض فیصلے مذہبی تعصب سے متأثر ہو سکتے ہوں۔ جب یہ خطرہ ہو۔ کہ کسی اکثریت کے فیصلے بیرونی اثرات سے متأثر ہو سکتے ہیں۔ اور وہ اکثریت نہ بدلنے والی ہو۔ تو اس وقت اس قوم کی حفاظت کا ذریعہ پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جس پر اکثریت کے متعصبانہ فیصلوں کا اثر ممکن ہو۔

اقلیت کو زائد حق نیابت کب دینا ضروری ہے

شائد کوئی شخص یہ کہے کہ تب تو پھر ہر حکومت میں ہر مذہبی اقلیت کو زائد حق نیابت دینے کی ضرورت پیش آئیگی۔ اور اگر اس طرح ہو گا۔ تو پھر نیابتی حکومت چلیگی کیونکر؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس اقلیت کے لئے اس امر کی ضرورت ہوتی ہے جس کی نسبت خطرہ ہو۔ کہ اکثریت اور اس کے درمیان مذہبی یا قومی تعصب حائل ہو گا۔ ورنہ خالی اقلیت ہونے کی وجہ سے کسی خاص قانون کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ دوسرے اگر ایک سے زیادہ اقلیتیں ملکر ایسی تعداد کو پہونچ جاتی ہوں۔ کہ اکثریت کو ظلم سے روک سکیں۔ تب بھی کسی خاص حفاظتی تدبیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہندوستان میں شکل یہی ہے۔ کہ قابل ذکر اقلیت صرف ایک ہی ہے۔ بدھ اور سکھ گو ہندوؤں سے علیحدہ مذہب کے دعویدار ہیں۔ مگر وہ عملی سیاست میں ایک ہیں۔ اور وہ درحقیقت اقلیتوں کی حفاظت کا موجب نہیں ہیں۔ بلکہ اکثریت کا پلڑہ بھاری کرنے کا موجب ہیں۔ اگر دو حقیقی اقلیتیں ہندوستان میں ہوتیں۔ جو ملکر ایک زبردست اقلیت بن جاتیں۔ تب مسلمانوں کو زائد حق دینے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ اس وقت حقیقی اقلیت مسلمانوں کے سوا صرف مسیحیوں کی ہے۔ مگر وہ صرف ایک فی صدی ہیں۔ اور انہیں نہ تو اپنی انتہائی کمزوری کی وجہ سے ہندوؤں سے ایک خطرہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ ظلم کے روکنے میں مسلمانوں کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔

کیا ہندوستان کو خود اختیاری حکومت نہیں ملنی چاہیئے

میں اس موقعہ پر اس خیال کو رد کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ جو بعض لوگ ہندو مسلم مناقشات کے ذکر پر ظاہر کیا کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اگر ہندوستان میں اس قدر اختلاف ہے۔ تو پھر ہندوستان کو خود اختیاری حکومت نہیں ملنی چاہیئے میرے نزدیک جب ایسے ذرائع موجود ہیں۔ کہ اقلیت کے حقوق کی حفاظت کی جا سکے۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ ان ذرائع کو اختیار کر کے خود اختیاری حکومت ہندوستان کو نہ دی جائے یورپ میں ایسے بہت ممالک ہیں۔ کہ جن میں شدید اختلاف کا وجود تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر باوجود اس کے اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے ذرائع اختیار کر کے وہاں جدید حکومتیں قائم کی گئی ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں۔ کہ جو کچھ یورپ میں کیا گیا ہے۔ وہی ہندوستان میں نہ کیا جائے۔

دوسری اقلیتوں کے حقوق تلف ہونے کا سوال

دوسری دلیل نہرو کمیٹی کی مسلمانوں کو زیادہ نیابت دینے کے خلاف یہ ہے۔ کہ اس طرح دوسری اقلیتوں کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ اس دلیل کا کیا مفہوم ہے۔ اور مجھے ڈر ہے کہ خود نہرو کمیٹی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھتی تھی۔ کیونکہ مسلمانوں کو زائد حق دینے کی وجہ سے دوسری اقلیتوں کے حقوق کو کسی طرح نقصان نہیں پہونچ سکتا۔ اول تو مسلمانوں کے سوا اور کوئی اقلیت ایسی ہے ہی نہیں۔ جسے مستقل اقلیت کہا جا سکے۔ بدھ لوگ اس وقت ہندوستان میں ہندوؤں کی ایک شاخ بن رہے ہیں۔ انہیں وہ خطرات ہی نہیں۔ جو مسلمانوں کو ہیں۔ قومی سوالات کے موقع پر وہ ہمیشہ ہندوؤں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ سکھوں کا بھی یہی حال ہے۔ باقی رہے مسیحی۔ وہ صرف ایک فی صدی ہیں۔ اور اکثر ہندوؤں سے نکلکر مسیحی ہوئے ہیں۔ اور کوئی ماضی نہیں رکھتے۔ جس کے ساتھ انہیں وابستگی ہو۔ کوئی چیز ان کے پاس ایسی نہیں۔ جس کے کھوئے جانے کا خطرہ ہو پس ان کو خوف کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ بھی نہیں۔ کہ مسیحیوں کا حق نیابت کم کر کے انہیں دیا جائے ان کا مطالبہ تو یہ ہے۔ کہ اکثریت کے پاس اس قدر گنجائش ہے۔ کہ اس کا حق نیابت کم کر کے مسلمانوں کے حقوق کو محفوظ کیا جا سکتا ہے اور باوجود اس کے اکثریت کی اکثریت میں فرق نہیں آتا۔ پس دوسری اقلیتوں کے حقوق کے کم کرنے کا اس جگہ کوئی سوال ہی نہیں کہ انہیں نقصان کا اندیشہ ہو۔

کیوں نشستیں مخصوص نہ کی جائیں

تیسری دلیل نہرو کمیٹی کی یہ ہے۔ کہ اگر مسلمانوں کیلئے نشستیں مخصوص کردی جائیں۔ تو ان کی تقسیم کس طرح ہوگی۔ اس طرح تو پنجاب اور بنگال میں بھی مسلمانوں کیلئے حق نیابت محفوظ کر دینا ہوگا۔ لیکن یہ بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ امر تو مسلمانوں کے مطالبات میں شامل ہے۔ کہ پنجاب اور بنگال میں بھی مسلمانوں کی نیابت کا حق محفوظ ہونا چاہیئے۔ اور میں ثابت کر چکا ہوں کہ یہی طریق درست اور انصاف کے مطابق ہے۔ پس دلیل کی بنیاد ایک ایسے امر پر رکھنا جو خود مابہ النزاع ہے۔ عقل کے خلاف ہے۔ اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے لئے نشستوں کی حفاظت نہ کی جائے گی۔ تب بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ کیونکہ مجلس نیابت کے نمائندوں کے انتخاب کے وقت ہندوستان کو مجموعی حیثیت میں دیکھنا ہوگا۔ اور ہندوستان کی مجموعی آبادی کو مدنظر رکھکر مسلمان اقلیت ہیں بلکہ کمزور اقلیت۔ پس اگر بہ فرض محال صوبوں میں نشستیں محفوظ نہ بھی ہوں۔ تب بھی مرکزی مجلس کے لئے نشستوں کی حفاظت کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔ انہیں محفوظ کیا جا سکتا ہے ؛

ہندو کس طرح مسلمانوں کا اعتبار حاصل کر سکتے ہیں

میں آخر میں ہندو صاحبان کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ اگر وہ ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو انہیں وسعت حوصلہ سے کام لینا چاہیئے۔ وہ اس بات کی امید ہرگز نہ رکھیں۔ **کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں تین ہوتے ہوئے بھی وہ مسلمانوں کا حق چھیننا چاہیں گے۔ تو انہیں آزادی کے حصول میں کامیابی ہوگی۔** انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہندوستان کی آزادی کا فردی لحاظ سے گو ہر اک فرد کو فائدہ پہنچیگا مگر قومی لحاظ سے اس کا نفع ہندوؤں کو پہنچیگا۔ کیونکہ ان کی تعداد اس ملک میں بہت زیادہ ہے۔ پس انہیں وسعت حوصلہ سے کام لینا چاہیئے۔ اور اس تنگ نظریہ پر انہیں زور نہیں دینا چاہیئے جس کے اختیار کرنے سے ایک اقلیت کو بھی شرمانا چاہیئے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اگر کسی قوم کا فرض ہے۔ کہ وہ وسعت حوصلہ دکھلائے۔ تو وہ زبردست اکثریت ہی ہے۔ انہیں پروفیسر مرے کا یہ قول یاد رکھنا چاہیئے کہ

"دونوں طرفوں کو نہ صرف عفو بلکہ احسان سے کام لینا چاہیئے۔ اور دنیا تو یہی کہیگی۔ کہ پہلا فرض غالب قوم کا ہے۔ کہ وہ احسان سے کام لے" (دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز)

یہی قول ان پر بھی چسپاں ہوتا ہے۔ اگر ہندوؤں کی اکثریت باوجود اس کے کہ ان کی اکثریت کو کوئی صدمہ نہیں پہونچتا مسلمانوں کی اقلیت سے اس شرائط کے طے کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ جن کی واحد غرض مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔ تو پھر اسے کبھی یہ امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ کہ وہ مسلمانوں کا اعتبار حاصل کرلے گی۔ اور وہ گورنمنٹ کو ایک ملکی گورنمنٹ خیال کریں گے ؛

مسلمانوں کا پانچواں مطالبہ
جداگانہ طریق انتخاب

پانچواں مطالبہ مسلمانوں کا یہ تھا۔ کہ انتخاب کا طریق جداگانہ ہو۔ یعنی مسلمان مسلمان ممبر منتخب کریں۔ اور ہندو ہندو ممبر منتخب کریں۔ مگر اس مطالبہ کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف تھا۔ بعض کے نزدیک جداگانہ انتخاب اس وقت تک جاری رہنا چاہیئے جب تک خود مسلمان اس کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ بعض کے نزدیک اوپر کے مطالبات کے منظور ہونے پر اس مطالبہ کو مخلوط انتخاب کے حق میں چھوڑا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ مسلمانوں کے حقوق تمام صوبوں میں اور مرکزی گورنمنٹ میں محفوظ کر دئے جائیں۔ جداگانہ انتخاب کی تائید میں مسلمانوں کے ایک معتد بہ حصہ کی رائے ہے۔ لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ سب کے سب اس امر پر متفق ہیں۔ کہ جداگانہ انتخاب ایک عارضی علاج ہے۔ اس لئے اس امر پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کہ جداگانہ انتخاب اصولی طور پر مخلوط انتخاب کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے۔ کہ کیا جداگانہ انتخاب اس عارضی ضرورت کو بھی پوری کرتا ہے یا نہیں۔ جس کے لئے اسے تجویز کیا جاتا ہے۔ وہ عارضی ضرورت مسلمانوں اور ہندوؤں کی آپس کی بے اعتباری ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ اس بے اعتباری کے وجود کا کسی کو انکار نہیں سوال صرف یہ ہے۔ کہ اس بے اعتباری کے زمانہ میں انتخاب کا طریق کیا ہو۔ مسلم لیگ کا کلکتہ سیکشن بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہے۔ کہ جب تک بعض شرطیں پوری نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک اس کو اڑانا درست نہ ہوگا۔ اور چونکہ وہ شرطیں پوری نہیں ہوئیں۔ اس لئے سمجھنا چاہیئے۔ کہ وہ بھی جداگانہ انتخاب کی تائید میں ہیں ؛

جداگانہ انتخاب کا فائدہ

میں جہاں تک سمجھتا ہوں۔ جداگانہ انتخاب کم سے کم عارضی طور پر فساد کے مٹانے میں ضرور مفید ہوگا۔ یہ خیال کہ اس وقت تک اس نے کیا اثر کیا ہے۔ چنداں وزن نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ اس کے مقابلہ میں یہی سوال کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس وقت تک ڈسٹرکٹ بورڈوں کے مشترک انتخاب نے کیا اثر کیا ہے۔ یا ان میونسپل کمیٹیوں کے انتخاب نے کیا اثر کیا ہے۔ جہاں مخلوط انتخاب ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جداگانہ انتخاب اگر بلا ہے تو بین الاقوامی تعلقات کے لحاظ سے نہیں بلکہ اندرونی تعلقات کے لحاظ سے بین الاقوام تعلقات تو اس سے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں ہاں یہ ضرور نقص پیدا ہو جاتا ہے کہ قوم میں اقدام کی روح کمزور ہو جاتی ہے۔ لیکن اس وقت چونکہ ہندو مسلم تعلقات خراب ہیں۔ اس کو اختیار کرنا اشد ضروری ہے۔ اس طریق کے اختیار کرنے کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ دونوں قومیں اطمینان سے کام کریں گی۔ موجودہ تجربہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جداگانہ انتخاب کے طریق پر عمل کرتے ہوئے ایک جگہ بھی خالص مسلم پارٹی کوئی نہیں بنی۔ اگر جداگانہ انتخاب تفرقہ پیدا کرتا تو چاہیئے تھا۔ کہ کونسلوں میں مسلم اور ہندو پارٹیاں بنتیں۔ مگر ان پارٹیوں کا نہ بننا بتاتا ہے۔ کہ اس تجویز میں وہ نقص نہیں ہے۔ جو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ آخر اس جداگانہ انتخاب کی مدد سے وہ مسلمان بھی کامیاب ہوئے ہیں۔ جو سوراج پارٹی میں شامل ہیں۔ اور وہ بھی جو مخلوط انتخاب کے حامی ہیں۔ اسی طرح وہ ہندو بھی جو مسلمانوں سے ملکر کام کر رہے ہیں۔ پس کونسلوں کے انتخاب کے لحاظ سے تو ہمیں اس کا کوئی خاص برا اثر نظر نہیں آتا۔

باہمی تفاہم کے لئے ایک مفید تجویز

میرا خیال یہ ہے کہ اگر دوسرے مسلمان اس پر متفق ہوں۔ تو طریق انتخاب کے متعلق یہ سمجھوتہ کر لیا جائے۔ کہ مسلم لیگ کے مطالبات کے پورا ہو جانے اور سوراج کے حصول کے بعد دس سال تک ان صوبوں میں جہاں ہندو یا مسلمان چاہیں جداگانہ انتخاب کا طریق جاری رہے۔ اس دس سال کے عرصہ میں اگر وہ قوم جس کا یہ مطالبہ ہو۔ خوشی سے اپنے حق کو چھوڑ دے تو اس کی مرضی۔ ورنہ دس سال تک جداگانہ انتخاب ضرور رکھا جائے۔ اس کے بعد جن صوبوں میں کہ ہندو یا مسلمان کمزور اقلیت ہیں۔ وہاں تو اس وقت تک کے لئے کہ وہ اقلیت اپنی مرضی سے اپنے حق کو نہ چھوڑے۔ مخلوط انتخاب اور محفوظ نشستوں کے طریق کو جاری رکھا جائے۔ اور پنجاب اور بنگال میں ایک مقررہ عرصہ تک مخلوط انتخاب اور محفوظ نشستوں کے طریق کو جاری کیا جائے۔ اس کے بعد خالی مخلوط انتخاب کو مگر شرط یہی ہو۔ کہ ڈومینین سلف گورنمنٹ کے حصول اور مسلمانوں کی شکایات کے دور ہونے کے بعد سے یہ انتظام شروع ہو۔ تاکہ مسلمان اپنے حق سے پورا فائدہ اٹھا کر اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکیں ؛

میں یہ بھی کہدینا چاہتا ہوں کہ میں اس بات کو بطور تجویز نہیں۔ بلکہ بطور ایک خیال کے پیش کرتا ہوں۔ جس پر غور کرنے سے ممکن ہے۔ کہ کوئی مفید درمیانی راہ نکل سکے۔ جو مسلمانوں کے دونوں مختلف گروہوں کو اکٹھا کر دے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے۔ کہ اگر ایک کافی عرصہ مسلمانوں کو آزاد گورنمنٹ میں اپنے حقوق کی حفاظت کا اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا مل جائے تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ وہ تدریجی ترقی کے بعد کھلے میدان میں بھی حریف کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ ہو سکیں۔ اور خصوصاً جبکہ یہ انتظام صرف بنگال اور پنجاب کیلئے ہو۔ جہاں کہ مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ تو پھر میں نہیں سمجھتا۔ کہ ہم لوگوں کے لئے اس میں کیا نقصان ہے۔ بہرحال یہ ایک تجویز ہے۔ جس پر ہندو اور مسلمان اگر غور کریں۔ تو شائد باہمی تفاہم کی صورت پیدا ہو جائے ؛

میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جداگانہ انتخاب اصول انتخاب کے بالکل خلاف نہیں ہے۔ اور صرف یہ کہدینا کہ یورپ میں اس پر عمل نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ طریق ہی صحیح نہیں۔ کوئی دلیل نہیں جس ملک میں ایسی اقوام بستی ہوں کہ جو اپنی جداگانہ تہذیب اور جداگانہ مذہب رکھتی ہوں۔ اور ان کے درمیان میں ایک لمبے عرصہ سے جھگڑے اور مناقشے ہوں۔ ان کے متعلق کوئی نہ کوئی احتیاط کرنی ضروری ہوگی۔ ورنہ چھوٹی قوم کی تباہی یقینی ہو جائیگی اور اس کی ذمہ داری اکثریت پر ہی ہوگی۔ کیونکہ ایسے جھگڑوں کے موقعہ پر اکثریت ہی کے بس میں ہوتا ہے کہ وہ اقلیت کو اطمینان دلائے۔ پس حق تو یہ تھا۔ کہ خود ہندو صاحبان مسلمانوں سے کہتے کہ آپ کو اطمینان دلانے کا طریق یہ ہے کہ آپ اپنے نمائندے الگ منتخب کریں اور ہم اپنے نمائندے الگ منتخب کرینگے۔ لیکن تعجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے علاج پیش کرنے پر بھی اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں ؛

جداگانہ انتخاب افتراق کا موجب نہیں

کہا جاتا ہے۔ کہ جداگانہ انتخاب سے افتراق پیدا ہوتا ہے مگر یہ ایک دھوکا ہے۔ جس کا رد اصولاً تو میں اوپر بیان کر چکا ہوں اب واقعات کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اور پوچھتا ہوں۔ کہ کیا ہندو مسلمانوں میں اختلاف جداگانہ انتخاب سے پہلے کا ہے یا پیچھے کا؟ اگر بعد کا ہے۔ تو میں پوچھتا ہوں۔ کہ اس طریق فیصلہ سے پہلے مسلمانوں کی نسبت مختلف گورنمنٹ کے محکموں میں کیا تھی؟ اگر یہ واقعہ ہے۔ کہ پہلے مسلمانوں کو پورا حق ملا کرتا تھا۔ تو پھر بے شک کہا جائے گا۔ کہ اس سے پہلے ہندوؤں کو مسلمانوں سے تعصب نہ تھا۔ لیکن اگر پہلے موجودہ حالت سے بھی بدتر حال تھا۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ جداگانہ انتخاب سے تعصب نہیں پیدا ہوا بلکہ تعصب کی وجہ سے مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا خیال پیدا ہوا ہے۔ اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے۔ کہ آج کل پہلے سے زیادہ تعصب کی صورت پیدا ہے۔ تو اس کا باعث جداگانہ انتخاب کو قرار نہیں دیا جا سکے گا۔ بلکہ ہندوؤں کی اس بے چینی کو کہ جو حقوق وہ پہلے بلا شرکت غیرے استعمال کر رہے تھے۔ اب مسلمان بھی کسی قدر ان میں حصہ لے رہے ہیں۔

میں اس حصہ کو ختم کرنے سے پہلے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ نیابت کی اصل غرض ایک قوم کے صحیح خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ صحیح ترجمانی ایک قوم کی اس کا ہم مذہب ہی اچھی طرح کر سکتا ہے۔ ہمیں یہ بات نہیں بھلانی چاہیئے۔ کہ الیکشن کے وقت عارضی اور جوش دلانے والے سوالات اٹھا کر ووٹ حاصل کر لئے جاتے ہیں۔ لیکن دوران اجلاس کونسل میں بیسیوں نئے سوال پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن کا خود انتخاب کرنے والوں کو کوئی علم نہیں ہوتا۔ ایسی اصل نیابت وہی ہے جو اپنے ہم مذہب کریں۔ تاکہ ہر نئے پیش آمدہ معاملہ میں صحیح نیابت ہو سکے اور یہ امر اس وقت تک ضروری ہے۔ جبتک کہ قوم کی ایسی حالت نہ ہو جائے۔ کہ سب لوگ مذہب اور پالیٹکس کو الگ رکھنے کے عادی ہو جائیں۔ اور تمام اقوام کے تعلقات مضبوط ہو کر ایک ہندوستانی نیشنلٹی پیدا ہو جائے۔ اور اختلاف دور ہو جائے۔ اور اختلاف بالفاظ پروفیسر ایل۔ پی مرے ایک دن میں اور سچی خواہشات سے دور نہیں ہو سکتا۔" بلکہ وہ صرف آہستہ آہستہ باہمی رواداری کے ذریعہ سے نسلوں کے بعد دور ہو سکتا ہے!!

مسلمانوں کا چھٹا مطالبہ

مذہب اور تمدن کی حفاظت

چھٹے امر کے متعلق مجھے اس جگہ مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میں مذہب اور تمدن کی حفاظت کے متعلق اپنی مختلف تحریروں میں بہ تفصیل لکھ چکا ہوں۔ یہاں اس قدر کہہ دینا ضروری ہے۔ کہ تبلیغ مذہب اور تبدیلی مذہب ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہونی چاہیئے۔

میرے نزدیک یورپ میں اقلیتوں کی حفاظت کے لئے جو کچھ کیا گیا ہے۔ اس کی ایک مختصر فہرست شاید اس ہیڈنگ کی تفاصیل کے لئے مفید ہو گی۔ اس لئے میں ذیل میں چند وہ باتیں درج کرتا ہوں۔ جو کہ اقلیتوں کی تہذیب اور ان کے مذہب کی حفاظت کے لئے ضروری سمجھی گئی ہیں۔ میرے نزدیک قانون اساسی بناتے وقت اور ہندو مسلم سمجھوتے کے وقت انھیں مدنظر رکھ لینا چاہیئے۔

کانگریس آف برلن ۱۸۷۸ء میں رومانیا کی آزادی کے اعلان کے وقت مسلمانوں اور یہودیوں کی حفاظت کے لئے یہ شرطیں کی گئی تھیں۔

اول۔ مذہب۔ عقیدہ اور خاص اصول کی وجہ سے کسی کو دیوانی یا فوجداری حقوق سے محروم نہیں کیا جائیگا۔ نہ سرکاری عہدوں عزتوں یا مجالس سے محروم کیا جائے گا۔ اور نہ مختلف پیشوں اور حرفتوں سے روکا جائیگا۔

دوم۔ مذہبی مجالس کے بنانے یا تنظیم سے یا مذہبی پیشواؤں کی ملاقات سے ملک کے اندر یا باہر نہیں روکا جائیگا۔

لیگ آف نیشنز کی نگرانی کے ماتحت جو معاہدات اقلیتوں کی حفاظت کے لئے ہوئے ہیں۔ ان میں پولینڈ سے یہ اقرار لیا گیا ہے۔ کہ ان ضلعوں اور شہروں میں جہاں اقلیت ایک معقول تعداد میں رہتی ہو۔ گورنمنٹ ذمہ دار ہو گی۔ کہ پرائمری سکولوں میں اس کی زبان میں تعلیم دے۔ ایسے ضلعوں میں یہ بھی شرط رکھی گئی ہے۔ کہ اگر کوئی رقم سرکاری خزانہ سے تعلیمی۔ مذہبی یا خیراتی کاموں کے لئے دی جائے۔ تو اقلیت کو بھی اس کی تعداد کے مطابق اس روپیہ میں سے حصہ دیا جائے (مادہ نو) اور ان حقوق کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ کسی صورت میں موقوف نہیں کئے جا سکتے۔

یہودیوں کے متعلق اسی معاہدہ کے مادہ دس میں لکھا ہے۔ کہ جو روپیہ یہودیوں کی تعلیم کے لئے الگ کیا جائے گا۔ وہ یہودیوں کی منتخب کردہ کمیٹیوں کی معرفت خرچ ہو گا۔ مادہ گیارہ میں لکھا ہے کہ یہودیوں سے کوئی ایسا کام نہ کرایا جائیگا۔ جس کی وجہ سے ان کے سبت کی حرمت میں فرق آتا ہو۔ (جمعہ کی بے قدری کرنے والے مسلمان اس سے سبق حاصل کریں۔ یہ ایک مُردہ قوم کا حال ہے۔ جبکہ مسلمانوں کا رسولؐ ابدی طور پر زندہ ہے) ہاں فوجی اور پولیس کی ضرورتوں کے وقت اس کا لحاظ نہیں رکھا جا سکے گا۔ انتخاب ہفتہ کے دن نہ ہوا کریں۔

یوگوسلیویا سے یہ عہد لیا گیا تھا۔ کہ ان کی حکومت میں مسلمانوں کو قانون وراثت۔ طلاق نکاح۔ حقوق زن و شوہر کے متعلق اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہو گی (یاد رکھنے کے قابل ہے) حکومت مساجد تکیوں۔ اور دوسری مسلمانوں کی عمارات کی حفاظت کی ذمہ دار ہو گی۔ اوقاف میں کسی قسم کا تصرف نہ کیا جائیگا (یاد رکھنے کے قابل ہے) اور آئندہ نئے اوقاف یا ایسے صیغوں کے قیام میں کوئی روک نہ ڈالی جائے گی۔

زیکو سلو ویکیا میں زبان کی تعلیم کو پرائمری تعلیم تک محدود نہیں کیا گیا۔

البانیا سے یہ معاہدہ لیا گیا ہے۔ کہ اس میں ایسا طریق انتخاب جاری کیا جائے گا۔ جس میں اقلیتوں کے قومی۔ مذہبی اور لسانی حقوق کی نگہداشت پوری طرح ہوتی جائے گی۔

جزائر الانڈ کے متعلق فنلینڈ سے یہاں تک معاہدہ لیا گیا ہے۔ کہ جن سکولوں میں فنش زبان میں تعلیم دی جائے۔ ان کے لئے الانڈ کے باشندوں سے روپیہ نہ لیا جائے۔

پولینڈ سے یہودیوں کے متعلق یہ اقرار بھی لیا گیا۔ کہ یہودیوں کے مذہبی سکولوں میں تعلیم پانا بھی جبری تعلیم کے قانون کو پورا کرنے کا موجب سمجھا جائیگا۔ (مسلمان اسے بھی یاد رکھیں) یہ بھی شرط رکھی گئی۔ کہ یہودی ملازموں اور سپاہیوں کو نماز کے لئے وقت دیا جائے گا۔ انھیں ان کے مذہب کے مطابق غذا مہیا کر کے دی جائے گی۔ علما فوجی جبری خدمت سے آزاد ہونگے (یہ امور بھی فیصلہ کے وقت یاد رکھنے چاہئیں)

یہ امر بھی واضح ہونا چاہیئے۔ کہ کسی قوم کے بادشاہوں کو حقیر کر کے سکولوں کی کتابوں میں نہ دکھایا جائے گا۔ کیونکہ اس سے قومی کیرکٹر بچوں کا تباہ ہو جاتا ہے۔ یورپ کی بعض حکومتوں میں کیا جاتا ہے۔ اور ہندوؤں کے دماغ کی افتاد خاص طور پر اس ناپسندیدہ طریق کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔

اوپر کے بیان کردہ امور سے یہ امر بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ قومی حفاظت کے سوال کے وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بات چھوٹی ہے۔ یا بڑی۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ اگر اس کی حفاظت نہ کی جائے۔ تو قوم کے کیرکٹر کا کیا حال ہو گا۔ پس ضروری ہے۔ کہ مذہب اور تمدن اور زبان کی حفاظت کے لئے پورے سامان پیدا کر لئے جائیں۔

قوانین کے صحیح استعمال کی ضمانت

میں نے بتایا تھا۔ کہ قوانین کے صحیح استعمال کی بھی کوئی ضمانت ہونی چاہئے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قانون کے صحیح استعمال کے بغیر قانون کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس غرض کے پورا کرنے کے دو طریق دنیا میں مقرر ہیں (۱) اقلیت کو اس کی تعداد کے مطابق ہر قسم کی ملازمتوں میں حصہ دیا جائے (۲) کوئی ایسی عدالت اپیل ہو۔ جس کے پاس اختلاف کی صورت میں معاملہ پیش کیا جا سکے۔

مسلمانوں کی طرف سے پہلا مطالبہ ہمیشہ پیش ہوتا رہتا ہے۔ اور انہیں قابلیت کا عذر پیش کر کے ہمیشہ ان کے حق سے محروم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن یہ عذر بالکل جھوٹا ہے۔ مسلمان ہرگز ناقابل نہیں ہیں۔ بلکہ انھیں ناقابل ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ کہ ایک مسلمان انگریز افسروں کے ماتحت ہر قسم کی ترقیات کا مستحق ہوتا رہا ہے۔ مگر ہندو افسر کے تحت آتے ہی ناقابل ہو جاتا ہے۔ پس ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمان کی قابلیت میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہاں اس کی قابلیت کے چھپانے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ اور انگریز حکام کو بھی شکایتیں کر کر کے بدظن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور یہ ظاہر بات ہے۔ کہ ہندو چونکہ پرانے زمانہ سے دفاتر میں گھسے ہوئے ہیں۔ وہ زیادہ بھی ہیں۔ اور بڑے بڑے عہدوں پر بھی سرفراز ہیں۔ انھیں انگریزوں کے

کان بھرنے کا اچھا موقعہ ملتا ہے۔ اس وجہ سے بعض انگریز بھی خیال کرنے لگے ہیں۔ کہ مسلمان نالائق ہیں۔ حالانکہ اگر ان عہدہ داروں کے ریکارڈ نکال کر دیکھے جائیں جن کو نالائق قرار دیا جاتا ہے۔ تو اکثر ایسے نکلیں گے۔ جو ہندو افسر کی ماتحتی میں آنے سے پہلے نہایت اعلےٰ ریکارڈ رکھتے تھے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ انگریز افسر بھی بغیر محنت کے صرف سنی سنائی باتوں پر یقین لا رہے ہیں۔ اور ایک قوم کی قوم کے خون کرنے سے نہیں ڈرتے۔

تناسب آبادی کے مطابق ملازمتیں

یہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ قوم کی تعداد کے مطابق عہدوں کا مطالبہ رائج الوقت سیاست کے خلاف ہے۔ یورپ کی اقلیتوں کے متعلق یہ مطالبہ ہوتا رہا ہے۔ اور اس مطالبہ کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے پھر کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہندوستان میں اس مطالبہ کو ادنےٰ اور فضول قرار دیا جائے۔ چنانچہ مثال کے طور پر پولینڈ کو ہی لے لو۔ اس میں یہودیوں کی اقلیت کے متعلق یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ

"یہودیوں کو تناسب آبادی کے لحاظ سے سرکاری ملازمتوں میں حصہ دیا جائیگا"۔ (دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۹۷)

لتھوانیا کی حکومت کے انتظام کے دیکھنے کے لئے لیگ کی کونسل نے ایک کمیشن مقرر کی تھی۔ اس نے جو رپورٹ کی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس اصل کو کس قدر اہمیت دی جاتی ہے۔ کمیشن لکھتا ہے کہ یہودیوں سے انصاف نہیں ہوتا۔ حکومت کے عہدوں میں یہودی اپنی تعداد آبادی سے بہت کم حصہ پا رہے ہیں۔ دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۱۱۳

ملازمتوں کا سوال نہایت اہم ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملازمتوں کے سوال کو معمولی نہیں قرار دیا جاتا۔ اور اس کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ ہر اک قوم اپنی تعداد کے مطابق حکومت کے عہدوں میں حصہ پا سکے۔ تاکہ اس کے ہم مذہب اس امر کا خیال رکھ سکیں۔ کہ اس قوم کے وہ حقوق جو قانون کے ذریعہ سے محفوظ کر دئے گئے تھے۔ قانون کے استعمال کے ذریعہ سے ضائع تو نہیں کر دئے گئے۔

غرض ملازمتوں میں مناسب حصہ پانا ہر اک قوم کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ اور یہ ضروری ہے۔ کہ آئندہ نظام حکومت میں اس کا بھی انتظام کر لیا جائے۔

برطانیہ کا مستقبل اسلام سے وابستہ ہے

دوسرا طریق قانون اساسی کے استعمال کی حفاظت کا اپیل ہے۔ ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے اس میں دقتیں ہیں۔ ہندوستان کی حکومت کا منزل مقصود ڈومینین سلف گورنمنٹ رکھا گیا ہے۔ اور میرے نزدیک یہی صحیح راہ ہے۔ بعض لوگ تو اسے درمیانی راہ سمجھتے ہیں۔ اور اس وقت کے حالات کے لحاظ سے ضروری خیال کرتے ہیں میرا اپنا خیال ہے۔ کہ اپنی ذات میں بھی یہ طریق حکومت بہترین ہے اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے۔ اس وقت نہ تو انگریز اس امر کو سمجھ رہے ہیں۔ اور نہ ہندوستان اس امر کو سمجھتا ہے۔ کہ برطانیہ کا مستقبل ایشیا اور خصوصاً اسلام سے وابستہ ہے۔ لیکن زمانہ مستقبل انشاء اللہ اس امر کو ثابت کر دے گا۔ کہ حقیقت یہی ہے۔ انگلستان صدیوں کی عادت سے مجبور ہو کر اس امر کا اقرار کر سکے یا نہ کر سکے۔ حق یہی ہے۔ کہ اس کی گرفت یورپ پر کمزور ہو چکی ہے۔ اس کا دبدبہ اب وہ نہیں جو پہلے تھا۔ اس کی جگہ آج ریاست ہائے متحدہ نے لے لی ہے۔ جس طرح کئی صدیاں پہلے انگلستان کی پالیسی تھی کہ یورپ کے معاملات میں دخل نہیں دینا۔ اسی طرح آج امریکہ کی بھی حالت ہے۔ مگر جس طرح انگلستان کو حالات سے مجبور ہو کر اس پالیسی کو بدلنا پڑا اسی طرح ریاست ہائے متحدہ کو بھی بدلنا پڑے گا۔ اور اس تبدیلی کے ساتھ ہی اس کی طاقت کا احساس بیرونی طاقتوں کو زیادہ ہونے لگے گا۔ اور انگلستان مجبور ہوگا۔ کہ اپنی پوزیشن کے قیام کے لئے اور حلیف تلاش کرے۔ بلکہ یوں کہو۔ کہ اور حلیف تراشے اور اس وقت سوائے ایشیا کے اور خصوصاً اسلام کے ساتھ اتحاد کے بغیر انگلستان اپنا سر اقوام عالم میں اونچا نہیں رکھ سکے گا۔ جس طرح رومی حکومت جس وقت بازنطین حکومت میں تبدیل ہوئی تھی تو اس کی طاقت کا انحصار ایشیا پر ہو گیا تھا۔ اسی طرح انگلستان سے ہوگا۔ اور جس وقت یہ احساس انگلستان میں پیدا ہونا شروع ہوگا۔ اس وقت وہ اسلام کی طرف خاص طور پر توجہ کرے گا۔ جس طرح براعظم کی طاقتوں کی مخالفت نے رومن کیتھولک انگلستان کو پروٹسٹنٹ بنا دیا تھا۔ اسی طرح نئی مخالفت کا دور اس کے اندر ایک نئی مذہبی تبدیلی پیدا کرے گا۔ اور اس کے افراد اپنے اندر ایک فکر کی آزادی محسوس کرینگے۔ اور اس وقت اسلام کے لئے ایک خاص موقعہ ہوگا۔ بہرحال انگلستان کا مستقبل ایشیا سے وابستہ ہے۔ اور اس صورت میں یقیناً ایشیا کی ترقی میں انگلستان ایک بڑی مدد ثابت ہوگا۔ اور اس کا نیا نکتہ نگاہ اس کے موجودہ رویہ کو بالکل بدل دیگا۔ پس نہ صرف وقتی تدبیر کے طور پر بلکہ ایک مستقل تدبیر کے طور پر انگلستان کے ساتھ اتحاد ہندوستان کے لئے اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے مفید ہے۔ اور انھیں موجودہ حالات کی بجائے ان تغیرات پر زیادہ نگاہ رکھنی چاہیئے۔ جو اس وقت پیدا ہو رہے ہیں۔ اور جن کا اثر مستقبل میں ایسے طور پر ظاہر ہونے والا ہے۔ کہ وہ موجودہ حالات کو بالکل بدل ڈالیگا۔

قانون اساسی کے غلط استعمال پر اپیل کی گنجائش ہونی چاہیئے

میں اصل بحث سے کسی قدر دور جا پڑا ہوں۔ لیکن میرے نزدیک اتنا دور نہیں۔ کہ جتنا بادی النظر سے دیکھنے والا خیال کرے گا۔ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ انگلستان سے تحالف جس کا بہترین ذریعہ بادشاہ انگلستان سے وابستگی ہے۔ اور جسے دوسرے لفظوں میں ڈومینین سلف گورنمنٹ کہتے ہیں۔ اس وقت ہندوستان کی حکومت کا مقصد رکھا گیا ہے۔ اور اس قسم کی حکومت کے ماتحت ایک غیر جانبدار جماعت کے پاس اپیل کا راستہ کھلا رکھا جا سکتا ہے۔ پس قانون اساسی میں اس کی اجازت ہونی چاہیئے۔ کہ جب کوئی فرد یا افراد دیکھیں کہ قانون اساسی کو حکومت غلط استعمال کر رہی ہے۔ تو اس کے خلاف اپیل کر سکیں۔ اور یہ اپیل جیسا کہ دوسری ڈومینینز کے متعلق طے ہو چکا ہے پریوی کونسل میں ہونی چاہیئے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ کہ ہندوؤں کے زور آور ہونے کی حالت میں ایسی اپیلوں کی طرف زیادہ توجہ نہ کی جاتی مگر صوبہ جات کو حکومت خود اختیاری حاصل ہونے کی صورت میں مسلمانوں کی آواز اس قدر کمزور نہ ہوگی۔ اور ضرور ایسی اپیلوں سے قانون شکنی میں ایک حد تک روک پیدا ہو جائے گی۔

قانون اساسی میں تبدیلی

قانون اساسی کے غلط استعمال کے علاوہ جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں قانون اساسی میں تبدیلی کے طریق کا بھی سوال ہے۔ اگر قانون اساسی اس طرح تبدیل ہو سکے۔ کہ جب چاہے۔ اکثریت اسے بدل ڈالے۔ تو ہماری ساری بحثیں اور ہماری ساری کوششیں لغو اور فضول ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں جب چاہیں۔ ہندو ان اختیارات کو جو اس وقت مسلمانوں کو مل جائیں۔ سلب کر سکتے ہیں۔ پس یہ ضروری ہے۔ کہ قانون اساسی کی تبدیلی کو ایسی شرائط سے مشروط کیا جائے۔ کہ ایک بڑی بھاری قوم کی مرضی کے بغیر ہی اس میں تبدیلی اور تغیر نہ ہو سکے۔ میں افسوس سے کہتا ہوں۔ کہ موجودہ قانون میں اس امر کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ بلکہ قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے صرف دو تہائی ممبروں کے ووٹ کافی رکھے گئے ہیں۔ پس چونکہ نہرو کمیٹی کی تجاویز کے مطابق کم سے کم چھہتر فیصدی ہندو ممبر ضرور مرکزی پارلیمنٹوں میں ہونگے۔ اس لئے قانون اساسی کا صرف ہندو ووٹروں کی مدد سے بدلا یا جا سکنا بالکل ممکن ہے۔ اور یہ صورت کہ ایک ملک کا قانون اساسی ملک کی ایک اہم اقلیت کی مرضی کے صریح خلاف بدلا جا سکے۔ ملک کے امن کا کبھی موجب نہیں ہو سکتا۔ پس اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ مسلمانوں کی تعداد کم سے کم چونتیس یا پینتیس فیصدی کی جائے تاکہ کوئی ایسی تبدیلی بغیر مسلمانوں کی رائے کے نہ ہو سکے۔

زائد نمائندگی خلاف اصول نہیں

یہ کہنا۔ کہ اقلیتوں کو زائد نمائندگی دینا اصول کے خلاف ہے۔ دنیا کی کانسٹی ٹیوشنز سے بے خبری کا ثبوت ہے۔ زیکوسلیویکیا میں اقلیتوں کو ان کی تعداد سے زائد حقوق دئے گئے ہیں۔ چنانچہ جرمن اقلیت نے پانچ اپریل ۱۹۲۳ء کو لیگ آف نیشنز میں جب شکایت کی کہ ان سے زیکوسلیویکیا میں اچھا سلوک نہیں ہوتا۔ تو جو جواب ایگ کوسلیویکیا گورنمنٹ نے دیا۔ اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہے۔ کہ "وہ (یعنی جرمن) باوجود اس کے قومی مجلس میں اپنی تعداد سے زیادہ نشستیں رکھتے ہیں۔ اور اگر انھیں کافی اکثریت حاصل ہو جائے۔ تو قانون اساسی تک کو بدل سکتے ہیں"۔ دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۱۲۰

غرض میرے نزدیک ایک علاج موجودہ مشکل کا یہی ہے۔ کہ مسلمانوں کو چونتیس یا کم سے کم پینتیس نشستیں مرکزی پارلیمنٹ اور سینٹ میں دی جائیں۔ تاکہ ان کی رائے کے بغیر قانون اساسی نہ بدل سکے۔

اسلامی مفاد سے تعلق رکھنے والے امور میں تبدیلی

مذکورہ بالا علاج تو عام امور کے متعلق ہوگا لیکن بعض سوالات مسلمانوں کے خاص حقوق سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور میرے نزدیک ان کی تبدیلی سوائے مسلمانوں کی مرضی کے کسی صورت میں نہیں ہونی چاہیئے۔ وہ امور وہی ہیں جن کا ذکر میں اوپر کر آیا ہوں۔ ان امور کے متعلق لکھنؤ پیکٹ والا سمجھوتہ بہترین ہے۔ یعنی یہ فیصلہ کر دیا جائے۔ کہ ان امور میں تبدیلی اس وقت تک نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ جب تک مرکزی پارلیمنٹ کے منتخب شدہ مسلمان ممبر دو تہائی ووٹ کے ساتھ کسی تبدیلی کے حق میں رائے نہ دیں۔ اس وقت تک مذکورہ بالا امور کے متعلق جو قانون اساسی تیار ہو اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ اور نیز یہ کہ ایسے قانون کو عمر

انہی صوبوں میں رائج کیا جاسکے۔ جہاں کے دو تہائی مسلمان ممبر اُسے صوبہ میں اس کے اجراء کا فیصلہ کر دیں ٭

ان احتیاطوں سے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہندو صاحبان ان احتیاطوں کے متعلق راضی نہ ہوں ٭

مدیر "زلزلہ" سے ناروا سلوک

ڈاکٹر شفیع احمد صاحب۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ مدیر اخبار "زلزلہ" دہلی جنہیں حال میں اپنے اخبار میں ایک مضمون شائع کرنے کی بنا پر چھ ماہ قید کی سزا ہوئی ہے۔ کے متعلق یہ معلوم کر کے کہ انھیں حکام جیل نے عام قیدیوں کے ساتھ ہی رکھا ہے۔ اور ان سے عام اخلاقی مجرموں کی طرح مشقت بھی لی جاتی ہے۔ ہمیں سخت تکلیف ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف ایک معزز اخبار نویس ہیں۔ اس سے قبل جبکہ پنڈت اندر کو اس سے سخت جرم کے ارتکاب اور اس سے سنگین سزا کے باوجود نہ صرف سپیشل کلاس میں رکھنے بلکہ اختتام میعاد سے قبل بری بھی کر دینے کی نظیر موجود ہے۔ تو سمجھ نہیں آتا۔ کہ ڈاکٹر صاحب موصوف سے یہ سخت ناروا سلوک کس بنا پر روا رکھا گیا ہے۔ کیا ہم امید کریں۔ کہ افسران متعلقہ اس شکایت کو رفع کر کے اپنی انصاف پسندی کا ثبوت دینگے۔ مسلمانوں کے ایک طبقہ میں یہ خیال پایا جاتا ہے۔ کہ حکومت مسلمانوں کی نسبت ہندوؤں سے زیادہ ملاطفت کا سلوک کرتی ہے۔ ایسے خیالات اگرچہ صحیح نہ بھی ہوں۔ مگر پھر بھی ایسی باتوں سے ان کو تقویت پہونچتی ہے۔ اور مسلمانوں کی بے چینی میں اضافہ کا موجب ہوتی ہیں۔ اس لئے عملی طور پر ایسی باتوں کی تردید حکومت کے اپنے مفاد کے لئے بھی ضروری ہے ٭

اچھوتوں کا میمورنڈم

تحریر رپورٹ میں اچھوتوں کے حقوق جسطرح نظر انداز کئے گئے ہیں اس سے متاثر ہو کر پنجاب آدھ دھرم منڈل جالندھر کیطرف سے سائمن کمیشن کو ایک میمورنڈم بھیجا گیا ہے۔ جس میں کمیشن سے درخواست کی گئی ہے۔ کہ

"اچھوتوں کے لئے علیٰحدہ نیابت منظور کی جائے۔ ملازمتوں میں نیابت دیجائے۔ یہ بھی شکایت کی گئی ہے۔ کہ ہندو انھیں اچھوت قرار دیتے ہیں۔ ہمیں کوئی حق نہیں دیتے۔ منوسمرتی میں ہماری توہین کی گئی ہے۔ اسے ضبط کیا جائے"۔ (تیج ۲۲ر اکتوبر)

یہ جملہ مطالبات نہایت منصفانہ اور معقول ہیں۔ ہندوؤں نے صدیوں سے غریب اچھوتوں کو اپنی بے پناہ ستم آرائیوں کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔ اور اس سے نجات حاصل کرنے میں ان کی مدد کرنا ہر انسان کا اخلاقی فرض ہے۔ مسلمانوں کو بالخصوص جو بنی نوع انسان کے ہمدرد اور خیر خواہوں کو چاہیئے۔ کہ اچھوتوں کے یہ مطالبات پورا کرانے میں ان کی ہر ممکن مدد کریں اور پورے زور سے اپنی آواز کو کمیشن تک پہونچانے میں ان کا ہاتھ بٹائیں ٭

اشارات

اگر ایک طرف ان واقعات پر نظر کی جائے۔ جو "مولانا" ظفر علی صاحب کو دہلی کے پبلک جلسوں میں ہزارہا انسانوں کے سامنے پیش آئے۔ اور دوسری طرف خوشی اور مسرت کے ان اعلانات کو دیکھا جائے جو ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے "مولانا" موصوف اور ان کا اخبار "زمیندار" شائع کر رہا ہے۔ تو ہر ایک صاحب فہم و فراست کے لئے اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ وہ "مولانا" ظفر علی سے اس موقعہ پر اظہار ہمدردی کرتے ہوئے ان واقعات سے نفرت ظاہر کرے۔ یا "مولانا" کو مبارکباد دیتا ہوا ان لوگوں کو مستحق ستائش سمجھے۔ جنھوں نے ایسے خوشکن حالات کے اسباب مہیا کئے

"مولانا" کو دہلی میں طوعاً نہیں بلکہ کرہاً جن حالات میں سے گذرنا پڑا وہ تو بالفاظ "سیاست"۔ "انقلاب"۔ "الجمعیۃ"۔ "الامان"۔ "تیج" وغیرہ یہ ہیں۔ کہ "مولانا" ابھی تلاوت ہی فرما رہے تھے۔ کہ "ایک شخص نے ان کی ٹانگ کھینچ لی۔ اور ان کے ایک جوتا رسید کیا۔ پھر کیا تھا۔ دھکا پیل شروع ہو گئی"۔ "مولانا ظفر علی خاں کو خدا خدا کر کے جامع مسجد سے باہر پہنچایا گیا"۔ "مولانا کو باوجود ان کی انتہائی لجاجت اور خوشامد کے ممبر سے گھسیٹ لیا گیا۔ اور ان کو دھکے دیتے ہوئے امام صاحب کے حجرے تک لے گئے"۔ "حاجی ظفر علی خاں صاحب کے اوپر کسی کا ہاتھ بھی پڑ گیا۔ آخر آپ کو حلقہ میں لے لیا گیا۔ اور امام صاحب کے حجرے میں بٹھایا گیا"۔

الفاظ صاف۔ مطلب واضح۔ اور شہادت دینے والے نہ صرف مسلمان بھائی۔ بلکہ علماء کرام اور "مولانا" کے "نو بنو" دوست مہاشہ "تیج" بھی ہیں۔ اس لئے ان کی شہادت کے صحیح اور درست ہونے میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ اور ہر شخص اسے پڑھ یا سن کر "مولانا" ظفر علی کو قابل ہمدردی سمجھیگا اور ان سے اظہار افسوس کریگا۔ لیکن کیا خود "مولانا" بھی اپنے آپ کو قابل ہمدردی سمجھتے اور افسوسناک الفاظ سننے کے لئے تیار ہیں ٭

"مولانا" کے اخبار "زمیندار" (۱۷ر اکتوبر) نے واقعات دہلی کا ذکر کرنے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

"اس سے ثابت ہو گیا۔ کہ دہلی میں بھی ہندو مسلمان فیصلہ لکھنؤ سے متفق ہیں۔ رہا یہ کہ چند سرکار پرستوں نے جلسہ میں شور و غوغا کرایا اور احرار کو بولنے نہ دیا۔ یہ ان کی کمزوری کی دلیل ہے۔ اور اسی سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ دہلی میں میدان غوغائیوں کے ہاتھ آیا۔ یا حامیان لکھنؤ کو فتح ہوئی"۔

اگرچہ یہ سمجھنے والا ہر شخص سوائے "مولانا" اور مدیر "زمیندار" کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے۔ جب "مولانا" یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اپنے حال کے حملہ میں دہلی کو فتح کر کے لوٹے ہیں۔ اور عام ہندو مسلمانوں کو فیصلہ لکھنؤ کا پابند بنا کر آئے ہیں۔ تو کسی کو کیا حق ہے۔ کہ ان سے اظہار ہمدردی کرے۔ انھیں تو مبارکباد دینی چاہیئے۔ اور امید رکھنی چاہیئے کہ دہلی فتح کرنے کی خوشی میں وہ عنقریب "جشن شاہانہ" منائیں گے۔ اور ان تمام لوگوں میں انعام و اکرام تقسیم کریں گے۔ جنھوں نے کئی کئی ہزار کے مجمعوں میں بڑی جد و جہد کے ساتھ ان سے شرف تعارف حاصل کیا۔ اور جس قدر ان سے ہو سکا۔ خدمتگذاری بھی کی ٭

یہ توقع ایک اور جہت سے بھی پیدا ہوئی ہے۔ اور وہ یہ کہ "مولانا" نے "ہندوستان ٹائمز" کے نمائندہ کو جو بیان دیا۔ اور جو ۱۸ر اکتوبر کے "زمیندار" میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں:۔

"جامع مسجد اور ملکہ باغ کے جلسوں میں جو کچھ ہوا۔ اس میں میرے لئے ایک پیغام مسرت ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان جلسوں سے یہ حقیقت بے نقاب ہو گئی ہے۔ کہ مسلمانان دہلی میں آثار حیات پیدا ہو رہے ہیں"۔

دہلی کے جن لوگوں نے "مولانا" کے لئے "پیغام مسرت" ترتیب دیا۔ اور جن کے ذریعہ "مولانا" پر یہ "حقیقت بے نقاب ہو گئی"۔ کہ ان میں "آثار حیات پیدا ہو رہے ہیں"۔ ان سے زیادہ "مولانا" کو اور کون محبوب ہو سکتا ہے۔ پس کوئی عجب نہیں۔ اگر ان کی خاطر ایک جشن مسرت بھی کیا جائے۔ اور اسی موقعہ پر یہ بات طے پا جائے۔ کہ مسلمانان دہلی کے آثار حیات کا معائنہ کرنے کے لئے "مولانا" کو ہر مہینہ میں کتنی بار تشریف لے جانا چاہیئے۔ اور مسلمانان دہلی کو کس طرح ہر دفعہ پہلے سے زیادہ اپنے آثار حیات کا ثبوت پیش کرنا چاہیئے ٭

"مولانا" نے اپنے بیان میں ایک مزیدار بات یہ بھی بیان کی ہے۔ "مجھے تو ان گالیوں میں بھی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ جو مجھ پر برسائی گئیں"۔

مطلب یہ کہ "مولانا" اہل دہلی کو بتا رہے ہیں۔ کہ اگر دوسری بار انھوں نے پہلے کی نسبت زیادہ ان پر گالیوں کی بوچھاڑ نہ کی۔ تو وہ ان کی موت کا فتویٰ دے دینگے۔ اب زندہ دلان دہلی کا کام ہے۔ کہ یا تو "مولانا" کے فرمائے ہوئے طریق پر عمل کر کے ان سے "زندگی کی جھلک" کا پروانہ لکھوا لیں۔ یا پھر اس کی خلاف ورزی کر کے مُردہ دل بن جائیں

معلوم نہیں "پنجاب پریس بیورو" کس بلا کا نام ہے۔ جس کے حوالہ سے ۱۷ر اکتوبر کی تاریخ اور قادیان کا پتہ لکھ کر پنجاب کے ہندو مسلم اردو اخبارات نے "قادیان میں سنسنی خیز قتل" کی خبر شائع کی ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ ۱۴۔ مئی کا ہے۔ اور "الفضل" ۲۲ر مئی نے اس کے تفصیلی حالات شائع کر دئے تھے۔ اب تو اس مقدمہ کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے۔ اور ملزم لڑکی بری ہو گئی ہے۔ اس وقت اس خبر کو اس طرح شائع کر کے کہ "پولیس نے کھوج نکال لیا۔ اور قاتلہ اور اس کی والدہ کے بیانات پولیس نے قلم بند کر لئے ہیں"۔ "پنجاب پریس بیورو" نے اپنی غفلت شعاری اور بیہودگی کا بہت بڑا مظاہرہ کیا ہے ٭

اگر اس "پریس بیورو" کی باخبری کا یہی عالم رہا۔ تو ممکن ہے کل کو یہ خبر شائع کرا دے۔ کہ دہلی میں سوامی شردھانند قتل کر دئے گئے ہیں۔ اور قاتل گرفتار ہو کر حوالات میں بھیج دیا گیا ہے ٭

خطبہ نکاح

حقیقی جوڑے خدا ہی ملاتا ہے

از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۱۴ اگست ۱۹۲۸ء

صاحبزادہ میاں عبد السّلام صاحب کے نکاح کے موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:-

آیات مسنونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اللہ تعالےٰ نے انسانی فطرت کو ایسا بنایا ہے۔ کہ وہ اپنے کاموں کی تکمیل کے لئے دوسری اشیاء کی محتاج ہے۔ بلکہ انسانی فطرت ہی نہیں۔ ہر چیز کو ایسا بنایا ہے۔ کہ وہ اپنی تکمیل کے لئے

دوسری کی محتاج

ہے۔ سورج سیاروں کا محتاج ہے۔ روشنی اس جو کی محتاج ہے۔ جو اسے دنیا میں پھیلاتا ہے۔ آنکھ اس روشنی کی محتاج ہے جو اسے دکھاتی ہے۔ کان ہوا کے محتاج ہیں۔ جو آواز کو لاتی ہے۔ زبان مزے کی محتاج ہے۔ اور مزا اپنی طاقتوں کے اظہار کے لئے زبان کا محتاج ہے۔ غرضیکہ یہ ایک

عام زوجیت

ہے۔ جو دنیا میں نظر آتی ہے۔ اور جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ ایک اور بھی زوجیت ہے۔ جو اس سے اخص ہے۔ جس طرح ایک چھلکے سے دو بادام نکلتے ہیں۔ اور ان دونوں کو اگر جوڑا جائے۔ تو وہ ایک ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر دو دوسرے جوڑے جائیں۔ تو وہ کبھی آپس میں مل نہیں سکتے۔ بعینہ اسی طرح ازواج میں بھی ایسا میلان رکھا گیا ہے۔ کہ ان میں بھی جوڑے ہوتے ہیں۔ اگر وہ مل جائیں۔ تو ہر چیز مل جاتی ہے۔ ان

جوڑوں کی تلاش

انسانی طاقت سے بالا ہوتی ہے۔ وہ خدا کے ازلی اور کامل علم میں جو خطا سے پاک ہے۔ موجود ہوتے ہیں۔ مگر فرشتے اور خدا کے انبیاء بھی ان سے آگاہ نہیں ہوتے۔ وہ جوڑے عورت اور مرد میں بھی ہوتے ہیں۔ مرد اور مرد میں بھی عورت اور عورت میں بھی پیر اور مرید میں بھی خادم و آقا میں بھی ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسے لوگ دنیا سے گذر جاتے ہیں۔ جو اپنے جوڑے کو نہیں پا سکتے۔ وہ یہی شکایت کرتے رہتے ہیں۔ کہ دنیا میں وفا نہیں۔ ان کا یہ قول غلط ہوتا ہے۔ دراصل بات یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنا جوڑا نہیں پا سکے۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہم نے دنیا میں وفا نہیں پائی۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ دنیا میں وفا ہے ہی نہیں۔ بات یہی ہوتی ہے کہ انہیں جوڑا ملتا نہیں۔ جو ان کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ چوروں اور ڈاکوؤں میں بھی وفا پائی جاتی ہے۔ ٹھگ بھی بعض اوقات اپنے ساتھی کو بچانے کے لئے اپنی جان تک دیدیتے ہیں۔ ایک باغی دوسرے کیلئے پھانسی پر لٹک جاتا ہے۔ پس اگر دنیا میں وفا نہیں۔ تو یہ نظارہ ہمیں کیوں نظر آتا ہے۔ پس ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ دنیا میں وفا نہیں۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہم

اپنے جوڑے کی تلاش میں ناکام

رہے ہیں۔ اگر جوڑا مل جاتا۔ تو ہمیں یہ شکایت نہ رہتی۔ اسی طرح بہت سے آقا ایسے ہوتے ہیں۔ جو شکایت کرتے ہیں۔ کہ کوئی اچھا نوکر نہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہوتا ہے۔ ان کو اپنا جوڑا نہیں ملا ہوتا۔ اور وہ خادم مل جاتا ہے۔ جسے خدا تعالےٰ نے اور مزاج والے آقا کے لئے بنایا تھا۔ اور جس طرح دو الگ الگ بادام آپس میں فٹ نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح یہ بھی آپس میں فٹ نہیں ہو سکتے۔ اور اسی واسطے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح بعض خاوند

اچھی بیوی نہ ملنے کا گلہ

کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا میں اچھی بیوی مل سکتی ہے۔ مگر وہ اپنا جوڑا تلاش کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اور جس کو بیوی بناتے ہیں وہ دراصل کسی اور کا جوڑا ہوتا ہے۔ پس جس طرح ایک انسان کی جوتی دوسرے کے پیر میں نہیں آ سکتی۔ اسی طرح جس کو خدا نے جس کے جوڑے کیلئے پیدا کیا ہے۔ اس کے سوا دوسرا اس جگہ ٹھیک نہیں آ سکتا۔ پس دنیا میں

با امن زندگی

کے لئے صحیح جوڑے کا ملنا نہایت ضروری ہے۔ اور جنت اسی کا نام ہے۔ اور اسی کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے الہام یادم اسکن انت وزوجک الجنۃ میں اشارہ ہے۔ اس میں خدا تعالےٰ نے بتایا ہے۔ کہ گو انسان کے لئے اپنا جوڑا تلاش کرنا ناممکن ہے۔ لیکن میں تیرے جوڑے تلاش کر کر کے تیرے پاس لاؤں گا۔ اور تو اور تیرے جوڑے جنت میں رہیں گے۔ اور با امن زندگی بسر کریں گے۔ تو یہ اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔ کہ انسان کا جوڑا اسے ملا دے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ تونسہ شریف کے ایک پیر صاحب سے کسی نے پوچھا۔ آپ کس لئے پھرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ اپنا شکار تلاش کرتا ہوں۔ آخر ایک دن انہوں نے ایک نوجوان کو دیکھا۔ اور اسی پکڑ لیا۔ اور فرمایا۔ بس مجھے اسی کی تلاش تھی۔ ان کو اللہ تعالےٰ نے رویاء میں بتا دیا ہوگا۔ کہ اس شکل کا آدمی تیرا جوڑا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جب اسے دیکھا۔ تو پکڑ لیا۔ اور وہی پھر ان کے بعد ان کا قائم مقام ہوا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جو مرید خدا تعالےٰ لاتا ہے۔ وہ ہزار تکالیف اور دکھ اٹھانے کے باوجود اپنے پیر سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔ لیکن

خود ساختہ پیروں

کے مرید جنہیں خدا نہیں لاتا۔ ذرا سی مشکل پر بھاگ جاتے ہیں۔ پس جو پیر خدا کی طرف سے بنائے جاتے ہیں۔ ان کے جوڑے خود خدا لاتا ہے۔ اور جو بندے آپ مامور بنتے ہیں۔ ان کے مریدوں کو جب ابتلاء آتا ہے۔ تو وہ جدا ہو جاتے ہیں۔ جوڑا دنیا میں جنت قائم کرنے والی چیز ہے۔ قرآن میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ لتسکنوا فیھا کہ ہم نے تمہیں جوڑے اس لئے بنایا ہے۔ تا تمہیں تسکین حاصل ہو۔ مگر دنیا میں لوگ کہتے ہیں۔ کہ تسلی اور اطمینان نہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ انہیں صحیح جوڑا نہیں ملا۔

لیکن جہاں یہ بات ہے۔ کہ صحیح جوڑا خدا تعالےٰ ہی ملاتا ہے۔ وہاں یہ بھی ہے۔ کہ بعض لوگوں کو خدا تعالےٰ

ایک قسم کی خالقیت

دیدیتا ہے۔ اور وہ جس طرح کہ ایک بڑھئی بے جوڑ لکڑیوں کو درست کر کے ٹھیک کر لیتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کو خدا تعالےٰ یہ طاقت اور روحانیت دیتا ہے۔ کہ وہ اپنا جوڑا خود بنا لیتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھوں میں ایسے آدمی بھی جو دراصل ان کا جوڑا نہیں ہوتے۔ ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلے تو خدا تعالےٰ انتخاب کر کے ہی جوڑے بھیجتا رہا لیکن جب لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ تو خدا نے آپکو وہ روحانی قوت عطا فرما دی کہ آپ خود ان کو درست کر کے اپنے لئے موزوں کر لیتے۔ یہی وہ

خلق طیبہ

ہے۔ کہ انبیاء اپنے جوڑے تلاش کر لیتے ہیں۔ انبیاء چونکہ ہمیشہ بلندی کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ اس لئے وہ لوگوں میں بھی طائرانہ صفات پیدا کر کے انہیں اپنا جوڑا بنا لیتے ہیں۔ ابتداء میں تو بیشک خدا تعالےٰ ان کے لئے جوڑے تلاش کرتا ہے۔ لیکن اس وقت جبکہ ہجوم کا وقت ہوتا ہے۔ وہ خود اپنے لئے جوڑے تیار کر لیتے ہیں۔ بے شک بعض ایسے شقی بھی ہوتے ہیں۔ جن پر خدا تعالےٰ کی طرف سے مہر لگ جاتی ہے۔ کہ وہ جوڑا نہیں بن سکیں گے۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔

پس

حقیقی امن اور راحت

کا قیام خواہ وہ شادی سے ہو۔ یا پیری مریدی اور دوستی سے اسی بات پر منحصر ہے۔ کہ انسان کو اپنا جوڑا مل جائے۔ اور اگر یہ نہ ملے۔ تو فساد ہی رہتا ہے۔ ایسے بادشاہ دنیا میں گذرے ہیں۔ جن کو لوگوں نے ظالم کہہ کر مار دیا۔ لیکن بعد میں آنے والے لوگوں نے ان کے حالات پر غور کر کے یہی کہا۔ کہ ان کے کام اچھے تھے۔ لوگوں نے ناحق مار دیا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ انہیں جوڑا رعیت نہ ملی تھی وہ دراصل اپنے اصل وقت سے بہت پہلے پیدا ہو گئے۔ یہ اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ کس کا جوڑا کہاں ہے۔ بعض وقت خاوند کسی ملک کا ہوتا ہے۔ اور بیوی کسی علاقہ کی۔ لیکن ان میں ایسی محبت ہوتی ہے۔ کہ رگ۔ رگ میں رہتے ہیں۔ دنیا ان سے ناراض ہی ہوتی ہے۔ وہ دوسروں سے لڑائیاں بھی کرتے ہیں۔ مگر آپس میں

217